جذبات یاور

مصنفہ

سخنور باکمال شاعر نازک خیال

جناب مولوی مرزا محمد بہادر صاحب یاور خیرآبادی

جج ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پربھنی

(دکن)

باہتمام سید [illegible] رضا

مطبع انوار الاسلام حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی

اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ

۱

فہرست جذبات یاور ناظم صلع پربھنی

Mirza Mohamad Bahadur Yawar Judge.

تقریظ علامہ عصر

عالیجناب نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی المتخلص بہ نظم مدظلہ العالی

اس دیوان کا پہلا حصہ مضامین اخلاقی و قومی کا ایک گلدستہ ہے اسکے علاوہ دو فسانے مسدس میں اناک ڈن اور شہیدان وفا کی ٹریجڈی ٹنین کے دیوان سے ماخوذ ہے دونوں فسانے بہت خوبی سے نظم کیے ہیں۔

خیر الامور اوسطہا پر جو نظم لکھی ہے اسکا قافیہ مستزاد ٹکڑے میں کہا ہے یہ ایک خاص ایجاد ہے اور بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اگر یہ مستزاد ٹکڑے نہوتے تو وہی بات ہوتی جسطرح اس زمانہ کے خود رو و خود رائے شاعر جس وزن میں چاہتے ہیں مثنوی لکھتے ہیں انکو یہ خیال نہیں کہ فردوسی و نظامی و سنائی و خسرو و شیخ شیراز و عارف روم نے مختصر اوزان کو مثنوی کیلئے انتخاب کیا ہے اُن کے خلاف قدم نہ اٹھانا چاہیئے۔ قصیدے اور سلام بھی دیکھنے کے لائق ہیں دوسرا حصہ غزلوں سے

مشتمل ہے یہ ایک حسن وعشق کا پرنچا نہ ہے ورنہ غزل کہنا کیا ضرور ہے عیسائی سلطنت کا ہندوستان پر یہ اثر پڑا ہے کہ لوگ رہبانیت کو شعر میں پسند کرنے لگے اور اس بات میں اپنے اساتذۂ ماسلف پر زبان تشنیع دراز کرتے ہیں خود زاہد بنتے ہیں تغزل کو برا جانتے ہیں میں اُن لوگوں سے کہونگا کہ غزلوں میں آپ ڈہونڈہینگے تو ایسے اشعار بھی نظر آئینگے جن کی نظیر مسلسل نظموں میں مشکل سے ملیگی۔ فقط

نظم طباطبائی

تمہید

یہ بھی اس زمانہ کا انداز شاعرانہ ہے کہ اپنا کلام آویزۂ گوش سامعین کرنیسے پہلے
کچھ انکساری جملے تمہیداً زبان پر لائے جاتے ہیں اسلیے حقیقت حال لکھنے میں پس و پیش
ہو رہا ہے مگر بغیر لکھے بن نہیں پڑتا یہ امر واقعہ ہے کہ میں اپنے کلام کو اس قابل نہ سمجھتا تھا
اور نہ سمجھتا ہوں کہ اسے زیور طبع سے آراستہ کیا جائے۔ یوں تو اکثر احباب نے اپنی محبت
اور عنایت سے اصرار فرمایا کہ اپنا کلام چھپوا دو مگر دو صاحبوں کی تعمیل ارشاد میں مجھے
آمادہ ہونا پڑا۔ ایک تو اپنے استاد محترم نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی التخلص بہ نظم
اور دوسرے نواب عماد الملک بہادر مرحوم و مغفور کے بیحد اصرار نے مجھے مجبور کیا۔
جناب مرحوم نے نہ محض زبانی بار بار ارشاد فرمایا بلکہ بمقام سنگاریڈی مستقر ضلع میدک
جو عنایت نامجات اپنی بزرگانہ توجہات سے بھیجکر مجھکو عزت بخشتے تھے اونمیں بھی
تاکیدی حکم ہوتا تھا مجھے اسکا بہت افسوس ہے کہ تہیہ کر لینے کے بعد اور طباعت
ختم ہونیسے پہلے وہ میرے معزز بزرگ دنیائے فانی سے چل بسے جسکا مجھکو

ہمیشہ قلق رہیگا۔

میری شاعری کا رنگ ہمیشہ ایسا رہا کہ اپنی ضروریات اور فرائض سے جب میں تھک گیا یا طبیعت اُکتائی تو دل بہلانے کو کچھ کہہ لیا یا بعض احباب خاص نے جب کوئی مشاعرہ کیا اور مجھسے اصرار فرمایا تو کچھ کہکر مشاعرے میں جاکر سنا دیا اُن احباب میں مولوی سید محمدؐ ضامن صاحب ضامن کنتوری ہیں جن کے خاص مشاعروں میں مجھے اکثر شرکت کا موقع ملا۔ میرے اُستاد محترم ممدوح الصدر نے ایک مشاعرہ اس قید کے ساتھ شروع فرمایا کہ اخلاقی نظمیں اُسمیں پڑھی جائیں۔ یہ سلسلہ زیادہ زمانہ تک قائم نہیں رہا۔ بایں ہم وہ مشاعرے جب تک ہوتے رہے اُن میں بھی میری شرکت ہوتی رہی اور اخلاقی نظموں کا ذوق اسی مشاعرے سے مجھے بڑھا۔ جو قصائد اپنے آقا اور ولی نعم ظل اللہ تاجدار دکن حضرت اقدس و اعلیٰ ہز اگزالٹیڈ ہائینس آصفجاہ مظفر الملک و الممالک نظام الملک نظام الدولہ لفٹننٹ جنرل نواب میر عثمان علیخان بہادر سلطان العلوم یار وفادار سلطنت برطانیہ جی سی ایس آئی جی بی ای فرمانروائے دولت آصفیہ دام اللہ ملکہ کی پیشگاہ میں گزراننے کا اس ناچیز کو شرف حاصل ہوا اُن سے ظاہر ہوگا کہ گذشتہ نمونہ اُن رفاہ عام کا بالاختصار تذکرہ ہے جو زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد

جہاں پناہ نے اپنے عہد معدلت مہد میں فرمائی ہیں لیکن مجھے اسکا اعتراف کرنا
ضروری ہے کہ اس سرچشمۂ فیض کی روزافزوں آبیاری نے کشت دکن کو
جیسا کچھ سرسبز اور شاداب کرنے کا پایہ ڈالا ہے اور اس مملکت ابد مدت کے
مستحکم فرمانے میں جو توجہ مبذول فرمائی ہے اُسکا شمہ بھی معرض تحریر میں آسکا
حضرت اقدس کا دست کرم چار دانگ عالم میں کشادہ ہے اور مستحقین کی
دستگیری ہر گوشۂ عالم میں فرمائی گئی ہے بہر نوع اوصاف حمیدہ و خصائل
پسندیدہ جو کچھ زیب قلم ہوئے ہیں وہ تخیل شاعرانہ سے جدا ہیں اور واقعیت کا
اظہار ہے۔ شاعری کا ذوق میری طبیعت میں بچپن سے تھا میرا نشو نما لکھنؤ میں ہوا۔
جہاں کی خاک میں ذوق شاعری ہے ابتدائی جو کچھ میرا کلام تھا اور تلف ہونیکے بعد
رہ گیا تھا وہ غرہ ماہ صیام سنہ ۱۳۲۶ ہجری کو پسند خاطر رود موسیٰ ہو گیا اور دست برد
طغیانی سے نہ بچا پہلے کلام کے کچھ چیدہ چیدہ اشعار کبھی کبھی یاد آجاتے ہیں۔
بعض نظمیں اُس ذخیرے میں ایسی ضرور تھیں کہ جنکو داخل جذبات یاد کرتا
جیسے ایک نظم جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس واقع علیگڈھ میں انتخاب ہو کر پڑھی گئی
یا لارڈ ڈیٹنس آنجہانی کی وفات پر اپنے محترم اُستاد مسٹر ہاڈسن پرنسپل
نظام کالج کی فرمایش پر میں نے کچھ قطعات لکھے تھے اور وہ سالہا سال

اُن کے آفس میں آویزاں رہے۔ یا ڈیوک آف کاناٹ کی تشریف آوری جبکہ مدرسۂ عالیہ میں ہوئی میری نوعمری تھی ایک چھوٹے سے قصیدے کی شان میں نظم لکھی تھی۔ بچپن میں زمانہ شباب تک کچھ فن سپہگری اپنے خاندان میں سیکھا لکھنے پڑھنے کے بعد جو وقت میرا گزرتا تھا وہ اسی کے حصول میں گزرتا تھا۔ چونکہ خاندان کا تذکرہ آگیا ہے اسلیے مختصراً اس مقام پر یہ لکھدینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میرے جداعلیٰ مرزا خدا داد بیگ صاحب قزلباش نادرشاہ کیساتھ ملک ہندمیں آئے اور شاہ وقت نے ایک بڑی جاگیر سیالکوٹ میں اُنکو مرحمت فرمائی۔ سکھوں سے ایک عرصہ تک جنگ و جدل کے بعد صرف ایک فرد خاندان بحالت شیرخواری باقی رہگئے اور اُنکی والدہ ماجدہ اُنکو فیض آباد میں لیکر آئیں۔ اُنہیں سے سلسلہ میرے خاندان کا ہے بالآخر خیرآباد ضلع سیتاپور میں توطن میرے بزرگوں نے اختیار کیا۔ اور عہدہ ہائے جلیلہ سے سلطنت اودھ میں ممتاز رہے میرے والد ماجد علی مرزا صاحب مرحوم نے فن سپہگری میں یدطولیٰ حاصل کیا اور پٹہ و بانک میں استاد کامل مانے گئے اُن کے حد کمال کا پتہ اس امر سے ملتا ہے کہ میرے بڑے بھائی مرزا نواب بہادر صاحب خاں مرحوم جو پورے چودہ برس کے بھی نہیں ہوئے تھے اور میرے منجھلے بھائی بہادر مرزا صاحب جو شائد نو سال کے تھے

کہ سایہ پدری سر سے اُٹھ گیا۔ لیکن فن سپہگری میں اس حد کو پہونچ گئے تھے کہ
تھوڑے ہی زمانہ میں اپنے فن کے استاد مانے گئے۔
رفتہ رفتہ یہہ دونوں صاحب شہرۂ آفاق ہو گئے اور ملک دکن تک
پہونچے اور یہاں منصب دیدانی کا ان دونوں صاحبوں کو عطا ہوا۔ اور بڑے
بڑے امرائے حیدرآباد اُن کے اس فن میں شاگرد ہوئے۔
میرا ننھیالی سلسلہ بہت طولانی ہے مختصر یہہ ہے کہ علامہ نواب تفضل حسین خان
بہادر تک پہونچتا ہے جن کا نام باوجود صدیاں گزر جانیکے اسوقت تک یادگار ہے۔
میری ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں ہوئی میرے برادر صاحبان محترم مجھے حیدرآباد
لے آئے تھوڑے زمانے تک آبائی فن سپہگری کے ساتھ حصول فارسی و عربی میں
مصروف رہا۔ اسکے بعد میرے محسن عالیجناب نواب بہرام الدولہ بہادر دام اقبالہ کے
زیر پرورش آگیا۔ اور نواب صاحب ممدوح نے میری تعلیم و تربیت اسطرح
اپنے دست مبارک میں لی کہ میں اسکا تمام عمر رہین منت رہونگا۔ نواب صاحب
معز نے مجھے مدرسۂ عالیہ میں بزمانہ وزارت نواب لایق علیخان بہادر عمادالسلطنت
بعد حصول اجازت داخل فرمایا اسوقت یہہ مدرسہ محض امرا کیواسطے مختص تھا۔
سوائے امرا و رؤسا اور شرفا بلدہ کے کوئی شخص اس مدرسہ میں داخل نہیں ہوسکتا تھا

یہاں میری تعلیم انگریزی کی ہوئی میں محض مبتدی تھا۔ میٹرک تک میں نے تعلیم پائی
میں کہہ سکتا ہوں کہ نواب بہرام الدولہ بہادر نے مجھ پر ایسی مربیانہ نظر رکھی جسطرح
ایک چاہنے والا باپ اپنی چہیتی اولاد کے ساتھ رکھتا ہے۔

اسکے بعد کئی سال اپنی علالت کے سبب سے پڑھنا لکھنا ترک کر دینے پر
مجبور ہوا۔ ازاں بعد علیگڈھ کالج میں تین سال رہا۔ دو سال تک قانونی د [illegible]
میں رہ کر وکالت کے امتحان کی تیاری کرتا رہا۔ لا کلاس کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنیسے
پہلے میں حیدرآباد اپنے بزرگوں سے ملنے کیلئے آیا اور یہاں میں نے وکالت میں
کامیابی حاصل کی نتیجہ کامیابی علیگڈھ میں معلوم ہوا۔ الہ آباد میں امتحان دینا
باقی رہگیا تھا۔ اور قصد تھا کہ امتحان میں شریک ہوں مگر حیدرآباد میں آکر
میں نے پراکٹس شروع کر دی بائیس سال میں نے وکالت کی اور اسی مدت میں
تین سال تک مشیر قانونی کورٹ آف وارڈز رہا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ
نیک نامی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ حضرت اقدس واعلیٰ کی
مردم شناسی تھی کہ میرا انتخاب بضمن سشن ججی پیشگاہ خسروی سے ہوا
اور فرامین خسروی شرف صدور لائے سشن ججی خالی نہونیسے میں اولاً
ضلع میدک پر ناظم عدالت ضلع مقرر کیا گیا۔ اور ایک ضلع کا کار دیوانی و فوجداری

میرے سپرد ہوا کئی ضلعوں پر میرا تبادلہ ہونیکے بعد اب میں ضلع پربھنی کا ناظم عدالت ہوں
یہہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ ذوق شعر کی تکمیل کے سلسلے میں ابتداً میں نے
عالیجناب میر محمد سلطان صاحب عاقل دہلوی سے استفادہ کیا اور اسکے بعد
نواب حیدر یار جنگ بہادر طباطبائی المتخلص نظم سے شرف تلمذ حاصل کیا
اور اتبک صاحب ممدوح کے فیوض سے مستفیض ہو رہا ہوں ۔

جذبات یاور کے ناظرین و احباب کی لطف فرمائی سے توقع ہے کہ
میری ہیچمدانی پر نظر فرماکر جہاں کہیں سہو و خطا پائیں عفو و درگزر فرمائیں فقط

مرزا محمد بہادر یاور
ناظم عدالت ضلع پربھنی
(دکن)

نعتِ احمد وصفِ حیدر اور حمدِ کردگار
ہے یہی مطلوب اپنا اور یہی اپنا شعار

گر کہے کوئی کہ دُنیا سے نرالا ہے یہ ڈھنگ
نعت پہلے حمد پیچھے بیچ میں مدحِ کبار

معترض کو میں جواب اُس وقت دونگا لاکلام
ہے یہی تدریج کر لے غور تو اے ہوشیار

منزلِ مقصود تک پہونچے انھیں کی وجہ سے
وہ شہ پر اپنے ہیں احسان انکے بیحد بیشمار

رہنمائی سے نبیؐ کی ہم کو منزل مل گئی
ہم بھٹکتے پھرتے تھے بے خانمان و بیدیار

ٹھوکریں کھاتے تھے کوہستان کے غاروں میں کبھی
گاہ ریگستانوں میں کرتے تھے ستاروں کا شمار

پوجتے تھے مشتری و زہرہ کو صبح و مسا
چاند سورج کی پرستش کرتے تھے لیل و نہار

فخر تھا دختر کشی پر اور ستی ہونے پہ ناز
جان دینے اور لینے میں نہ خوف کردگار

ترک کردی تھیں خدا کی دی ہوئی سب نعمتیں
ہوتا تھا قطع تناسل پر نہایت افتخار

کیوں تامل کر کے اپنے عیش میں ڈالیں خلل
جب کلیسا کی کنواری ہو گلے کا انکے ہار

خوف مالک کا گیا عصیاں سے کب تھا ہم کو باک
کیوں کریں توبہ گناہوں سے عبث ہوں شرمسار

پیشوا کے سامنے عصیاں کا بس تھا اعتراف
اک فقط اقرار سے ہوتے تھے بالکل رستگار

یہ عبادت تھی ہماری اور یہ زہد و اتقا
ان عقاید پر رہا کرتا تھا ہم کو افتخار

خاک یثرب سے ہوا اک نور پیدا ایک بیک
روشنی پھیلی منور ہو گئے جس سے دیار

نور وہ پھیلا چکا چوندھ اس سے آنکھوں میں آ گئی
کاہنوں کے دل میں پیدا ہو گیا اک اضطرار

سوچتے تھے کچھ تسلی دل کی ہوتی ہی نہ تھی
پوتھیاں رکھ رکھ کے آگے لاکھ کرتے تھے بچار

کاخ کسریٰ میں تزلزل آ گیا اس نور سے
طاق کسریٰ سے گرے بت اور ہوا اک انتشار

آ گیا لرزہ میں اس سے گنبد گردون دول
رعب سے اس نور کے تھرا گئے سب کوہسار

بجھ گئے آتشکدے ٹھنڈے ہوئے آتش پرست
خوف سے آنے لگا ہر اک کو لرزہ کا بخار

جیتے جی مر گئے گڑ گڑ گئے سب بت پرست
ہو گیا سینہ کے مرقد میں دلوں کا یوں فشار

سارے عالم کی زمیں اس سے منور ہو گئی
آسماں پر طالع ہو کر جب یہ چمکا ایک بار

نور سے پہلے منور ہو گیا ملک عرب
اور شعاعوں نے کیا پھر بڑھ کے عالم کا حصار

ایشیا یورپ سے افریقہ میں پہونچی یہ ضیا
نور ایماں نے کیا بڑھ بڑھ کے اس کو منجلی
شرک کی راہوں کا تو نے ہی کیا ہے سد باب
کفر کے ابواب ہم پر بند تو نے ہی کیے
خلق مخلوقات پیدائش سے تیری ہی ہوئی
تو ہی ہادیِ جہاں ہے تو ہی جانِ جہاں
تو شفیعِ مذنبیں تو شافعِ یوم الجزا
تیری بعثت باعثِ رحمت ہے شک اس میں نہیں
پیچ میں تو کر دیے تھے صنادیدِ قریش
جز علی کس نے بڑھایا ہاتھ بیعت کے لیے
دقتیں حائل ہوئیں ترویجِ دیں میں کس قدر
تیری ایذاؤں کو سب کفار سمجھے تھے ثواب
تیری تکلیفوں پہ وہ بدبخت کرتے تمسخر
مشورے ہوتے تھے باہم تا کریں تجکو ہلاک
پردہ داری کے لیے کافی تھی تارِ عنکبوت

صاف آئینہ کی صورت ہو گیا سب زنگبار
چھا گیا کفر و ضلالت کا دلوں میں جب غبار
اے تجلی گاہ وحدت دل سے ہم تجھ پر نثار
ہو گئے تیری ہدایت سے جہاں میں کامگار
قول خالق بے محل شک نہیں اے زینہار
تو سراجِ راہِ حق ہے اے شہ عالی وقار
تیرا دامن ہاتھ میں اور تجھ سے ہم امیدوار
دعوتِ اسلام تو نے دی بہ عز و افتخار
حکم خالق کا کیا اظہار جب با صدق و وفا
ہے تواریخ جہاں میں آج کا دن یادگار
مشکلیں عاید ہوئیں ہر طرح کی اور بیشمار
راستے میں تیرے وہ موذی بچھا دیتے تھے خار
چلتے چلتے راہ میں کرتے تھے تجکو سنگسار
حکم خالق سے چھپا تو جا کے اک تاریک غار
رحمتِ حق درحقیقت ہو گئی تھی پردہ دار

سب مصائب جھیل کر لاتا تھا راہِ راست پر
اپنے اخلاقِ کریمہ سے رہا تو بُردبار

دعوتِ اسلام استقلال سے دیتا تھا تو
فرق آتا تھا نہ اپنے فرض میں کچھ زینہار

تو بیاں کرتا تھا اُن سب پر جلالِ کبریا
تو بیاں کرتا تھا اُن سب سے وقارِ کردگار

رفتہ رفتہ لاکے چھوڑا اُنکو سیدھی راہ پر
جستہ جستہ کر دیا ظاہر امر اُن پر آشکار

دیکھکر اعجاز تیرے سحر کہتے تھے لعین
بولہب کو فکر تھی کیونکر کروں میں انکو خوار

کوئی پہلو مکر کا اُس نے اُٹھا رکھا نہ تھا
ہر دقیقہ مکر کا اُس نے کیا تھا اختیار

اس کی پروا کچھ نہ کرتے سرورِ ہر دو جہاں
رحمتِ حق ساتھ تھی اور ایسی سے منصور

ابتدا سے تھے علیؑ ہر کام میں اُنکے شریک
کیوں نہ ہوتے نورِ واحد تھے نہیں شک زینہار

تھے نبیؐ کے تابعِ فرماں علیِ مرتضیٰ
اور اطاعت سے نبیؐ کی اُنکو عز و افتخار

نفسِ پیغمبر نبیؐ کے تھے علیؑ زوجِ بتول
عرش سے آئی تھی جنکو کبریا سے ذوالفقار

کون وہ غزوہ تھا جسمیں ناصرِ حق تھے نہ آپ
جسکو سر کر کے نہ پلٹے کون تھی وہ کارزار

دو جہاں کی تھی عبادت ایک ضربت سے ہیچ
صاف یہ فرما گئے ہیں خود نبیؐ باوقار

جنگِ خندق پر نہیں موقوف اسمیں شک نہیں
بابِ خیبر اور اُحد کی جنگ بھی ہے یادگار

بدر کی وہ جنگ چمکی جسمیں تیغِ شاہِ دیں
تھی ہلال آسا مگر ہر لمحہ ہر جا آشکار

جنگ میں بیرالعلم کے یکہ و تنہا تھے آپ
سر کیا جا کر جنوں کو زیرِ فرماں ایکبار

پیاس سے لشکر خدا کا ہو گیا تھا جاں بلب — جا نہ سکتا تھا کنویں تک کوئی کرتے تھے فرار

حکم دیتے تھے نبی جا کر کنویں سے لاؤ آب — خوف سے لیکن نہ تھی ہمت کسی کو شہریار

ڈر کے مارے ہل نہ سکتا تھا جگہ سے اپنی ایک — پا بگل پیدل تھے اور سکتے میں گھوڑے پر سوار

پشت لشکر پہ امیر المومنیں اسوقت تھے — یاد فرمایا نبی نے آئے پیشِ شہریار

سنتے ہی فرمانِ حضرت تھے کنویں پہ شاہ دیں — ڈول ڈالا چاہ میں تھا اور آپ کو تھا انتظار

کاٹ دی رسی جنوں نے چاہ میں پہونچا جو ڈول — غیظ میں کودا خدا کا شیر لیکر ذوالفقار

دیر تک ہوتی رہی پیکار اُدھر اک فوج تھی — اس طرف یہ شیر تھا اور لشکرِ جن ہتیار

منتظر سب چاہ پر تھے حال کچھ کھلتا نہ تھا — نعرۂ اللہ اکبر سن کے ہنستے تھے ابرار

آپ منصور و مظفر ہو کے نکلے چاہ سے — ہاتھ میں تلوار تھی لب پر تھا شکرِ کردگار

دائرے میں آ گئے اسلام کے جن مرحبا — جو کہ منکر تھے وہ شاہینِ اجل کے تھے شکار

اس لڑائی میں نمازِ عصر ہوتی تھی قضا — شاہ خاور خوف سے مغرب کو کرتا تھا فرار

رنج حیدر کو ہوا خوفِ خدا طاری ہوا — پڑ گیا رعشہ بدن میں خون سی تھی اشکبار

حکم خالق سے نکل آیا جہاں میں آفتاب — کھنچ گئیں آخر طنابیں ہو گیا دن آشکار

بس بجا لائے نماز اور شکر ایزد کا کیا — ہو گئے مسرور و شاداں انس و جاں اے شہریار

اے شجاعِ دہر ہم تیری شجاعت کے فدا — اے امام المتقیں تیری عبادت کے نثار

اے ہمارے پیشوا مشکل کشا اے رہنما
کر دیا اصنام سے اللہ کا گھر پاک و صفا
پھر چمک اسلام ابھر آنے لگا با کرّ و فر
آپ کے سب جانشیں بھی حامی دین مبیں
آپ ہی سب کی ہدایت سے موحد ہم بنے
اے خدا ان ہادیانِ دیں سے پہچانا تجھے
اے مرے مالک مرے معبود میرے کردگار
ایک کن کہنے سے پیدا تو نے عالم کو کیا
یہ فلک اور یہ ستارے یہ منازل یہ بروج
یہ شجر اور یہ حجر اقسام کی یہ بوٹیاں
بام گردوں پر ستارے اور ذرّے خاک پر
یہ فرشتے اور یہ انسان اور یہ وحش و طیر
سارے عالم کو غرض دیکھا جو چشم غور سے
تو رحیم اور تیری رحمت کا ٹھکانا ہی نہیں
آجکل امت ترے محبوب کی ہے اور نفاق

اے علی کے قوت بازو و شیر کردگار
بھر دیا ہر رنگ میں اسلام کا نقش و نگار
دین کا جھنڈا گیا اک ایک جا پر استوار
آپ کو فرزند بھی بخشے خدا نے باوقار
راستے پر آ گئے بھٹکے ہوئے ہم خاکسار
اور جانا تجھکو اپنا خالق و پروردگار
شانِ وحدت پر تری سو جان سے یاور نثار
ایک مشت خاک کو تو نے دیا کیا اختیار
یہ زمیں یہ لالہ و گل یہ جبال اور یہ بحار
جنگلوں کو بخشے رونق جا بجا سبزہ زار
پرتو قدرت سے تیرے ہیں درخشاں بیشمار
ہیں ترے مخلوق اور رحمت کے تجھ سے خواستگار
ہیں کرشمے سب تیری قدرت کے اے پروردگار
تو کریم اور تری بخشش میں نہیں شک زینہار
بغض و کینے کا مرض ہے اور خودی کا ہے خمار

ہم نقائص پر کبھی اپنے نہیں کرتے نظر
عیب جوئی دوسروں کی ہے ہمیں اپنی خبر
تاکہ ہم قعرِ ذلت سے اُبھرنے پائینگے
بھائیونکی اپنے ہم کرتے نہیں مطلق مدد
اتفاقی بھی نہیں ہم میں رہا ہے اتفاق
دوسری قوموں نے سیکھیں ہیں اچھی خصلتیں
تاک سب افعال ہم نے دیدیئے اغیار کو
کاہلی سستی زمانہ بھر کی ہم میں آگئی
وقت کی تقسیم تک قدر کچھ اُسکی نہیں
کام کرنے میں تو خامی ہوگئی مشہورِ خلق۔
رحم فرما رحم فرما ہم پہ رب العالمین
دل لگا کر متفق ہو کر کریں ہر کام کو
ہو رہے ہیں غیر قوموں کی نگاہوں میں ذلیل
سیکھیں علم ریاضی سینس اور جرِ ثقیل
ہے تقابل دوسری اقوام سے اکسیر سا

نکتہ چینی عیب بینی ہوگیا اپنا شعار
راہ گم کردہ ہیں خود اور پھر نہایت ہوشیار
بھائیوں سے اپنے رکھتے ہیں سدا دل میں غبار
دوسری اقوام کی آنکھوں میں ہیں ہر چند خوار
بھول بیٹھے آہ ہم اسلام کا بالکل شعار
اُن سے افعالِ قبیحہ ہم نے سیکھے بیشمار
اور بُرے اشغال اُنکے لے لیئے انجام کار
جب کبھی چلنے سے نہیں پیچھے لگا دو چار
جاگ کر شب بھر پڑے سوتے ہیں تا نصف النہار
ہیں مگر باتیں بنانے میں نہایت پختہ کار
دے ہمیں توفیق افعالِ حسن کی کردگار
ہوں نفاق و شر سے یارب مجتنب اور شرمسار
تو بچالے ہم کو اس ذلت سے اے پروردگار
کر کے ایجادیں زمانہ میں بنیں ہم یادگار
شرم رکھ لے اُمتِ محبوب کی اے کردگار

رات بازی سے رہیں غیرت سے ہو جاتے بسر
با عمل حکم بنا اور کریں پرہیزگار

صحبتیں دل بستگی کے واسطے ایسی رہیں
جس میں تیرا ذکر ہو تا نیک ہو انجام کار

اب کرم فرما مجھے آلام سے تو دے نجات
یاوری کر جلد اب اے یاور ذی اختیار

قصیدہ

تہنیت سالگرہ مبارک و مدح شاہ جمجاہ ظل اللہ محی الملت و الدین
مظفر الممالک حضور پر نور اعلیحضرت قادر قدرت سکندر شوکت حضرت
بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی ہز اگزالٹڈ ہائینس میر عثمان علیخان بہادر
نظام الملک آصفجاہ فرماں فرمائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

دکن میں ہیں وہ نمایاں سرور کے آثار
کہ جن کے وصف میں خامہ بھی آج ہے سرشار

صریر کلک سے پیدا ہے نغمۂ دلکش
زبان قلم کی ہے یا عندلیب کی منقار

غلط کہا مرا خامہ کجا کجا بلبل
نہ ایسا لحن نہ ہے اس قدر گلا تیار

مرے قلم کی کشش میں ہے لحن داؤدی
مرے قلم کے گلے میں ہے صوت موسیقار

مرے قلم کا یہ روئے سخن ہے بلبل سے
کجا یہ بات نوا سنجیاں کرے وہ ہزار

یہ سب ہے عزیز جہاں ملک کا ہے روح رواں
وہ بادشاہ رعایا ہے جس پہ دل سے نثار

اسی کے فیض سے کشت دکن ہوئی سرسبز
اسی کے فیض سے گلزار ہو گیا گلزار

اسی کے بذل و کرم کا ہے چار سو شہرہ
اسی کے جود سے شاداب ہیں جبال و بحار

اسی کے بذل کا پرچم دکن میں اڑتا ہے
اسی کی ہے نصفت باعث سکون و قرار

اسی کا گوشۂ دامن ہے معدلت گستر
اسی کے سایہ میں بے خوف ہیں صغار و کبار

اسی کے رحم و کرم کا ہے چار سو ڈنکا
اسی کے لطف و عنایت کی دھوم ہیں لیل و نہار

اسی کی عقل سے ہے ملک خطۂ یونان
اسی کی فہم سے ہے قرطبہ دکن کا دیار

حضور آصف سابع کا ہے بجا ارشاد
کہ آج خلق میں اکسیر ہے دکن کا غبار

جسے سمجھتے تھے سب عقدہ ہائے لا ینحل
اسی کے ناخن تدبیر سے کھلے یکبار

اسی کی عقل سے پیرس بنا ہے سارا شہر
اسی کے فہم و فراست کے سب ہیں نقش و نگار

چہار سمت جو سڑکیں کھنچی تصویر سی کھنچ دی ہے
اسی کے عہد میں وسعت سے اب ہیں آئینہ دار

وہ ناف شہر میں دیکھو رفیع و عالیشان
یہ ساق عرش ہیں یا ہیں ستون چار مینار

بنی ہیں عہد میں اس کے عمارتیں ایسی
کہ جن کو دیکھ کے حیراں ہیں خلق کے معمار

وہ ہائیکورٹ جو پر عظمت و جلالت ہے
اسی کے عہد میں پایہ پڑا ہوا تیار

مثال کہکشاں گرد رود موسی ہے
وہ بیچ میں ید بیضا کی طرح ہے ضو بار

اسی میں فصل خصومات و حق رسی ہو گی ؛ یہ دار عدل ہے انصاف کو ہے استقرار

قریب اس کے بنا چاہتا ہے دار العلم رواں رہیگے یہاں فیض شاہ کے انہار

علوم مشرق و مغرب کا ہوگا یہ مرکز بنے گا دائرہ علم یہاں پرکار

پڑھینگے اور دعا دینگے شہ کو طالب علم بندھیگی سر پہ یہاں علم و فضل کی دستار

ادب سے منطق و ہیئت سے بہرہ ور ہونگے حدیث و فقہ کو پڑھکر بنینگے وہ دیندار

پڑھینگے سائنس ریاضی و فلسفہ یکسر وہ اس قدر سے زیادہ کے ہونگے واقفکار

غرض حضور کے جود و کرم کا فیض یہ ہے تو کسطرح نہ دعا یا ہو جان و دل سے نثار

شجاعت ایسی کہ جس کا مقر زمانہ ہے سخاوت ایسی کہ دربار شہ کا ہے دربار

در حضور سے ملتے ہیں اسکو لعل و گہر جو مانگتا ہے کوئی آکے درہم و دینار

عطائے شاہ سے ہوتے ہیں لوگ مالامال عطائے شہ سے ہیں جاگیردار منصبدار

کرم سے شاہ کے ملتے ہیں عہدۂ موزوں ملے ہیں خلعت پر زر زری ہے دستار

اگرچہ ذرہ ہوں پر مہر شہ سے چمکونگا اگرچہ خاک ہوں لیکن فلک کا ہونگا غبار

میں گوشہ گیر ہوں نا قدریوں سے عالم کی جو قدر داں ہو تو میں ہوں سراج راہ گذار

عطائے شہ سے روانی ہوئی طبیعت میں لکھا یہ مطلع ثانی مطلع انوار ؛

اسی میں فصل خصومات و حق رسی ہوگی ؛ یہ دار عدل ہے انصاف کو ہے اسی سے قرار
قریب اس کے بنا چاہتا ہے دارالعلم ؛ رواں رہینگے یہاں فیض شاہ کے انہار
علوم مشرق و مغرب کا ہوگا یہ مرکز ؛ بنیگا دائرۂ علم یہاں پہ پرکار
پڑھینگے اور دعا دینگے شہ کو طالب علم ؛ بندھیگی سر پہ یہاں علم و فضل کی دستار
ادب سے منطق و ہیئت سے بہرہ ور ہونگے ؛ حدیث و فقہ کو پڑھکر بنینگے وہ دیندار
پڑھینگے سائنس ریاضی و فلسفہ یکسر ؛ وہ راستے سے زمانہ کے ہونگے واقف کار
غرض حضور کے جود و کرم کا نقش یہ ہے ؛ تو کسطرح نہ رعایا ہو جان و دل سے نثار
شجاعت ایسی کہ جس کا معترف زمانہ ہے ؛ سخاوت ایسی کہ دُربار شہ کا ہے دربار
درِ حضور سے ملتے ہیں اسکو لعل و گہر ؛ جو مانگتا ہے کوئی آکے درہم و دینار
عطائے شاہ سے ہوتے ہیں لوگ مالا مال ؛ عطائے شہ سے ہیں جاگیردار منصبدار
کرم سے شاہ کے ملتے ہیں عہدۂ موزوں ؛ ملے ہیں خلعت و زر ملی ہے موٹر کار
اگرچہ ذرہ ہوں پر مہر شہ سے چمکونگا ؛ اگرچہ خاک ہوں لیکن فلک کا ہونگا غبار
میں گوشہ گیر ہوں ناقدریوں سے عالم کی ؛ جو قدرداں ہو تو میں ہوں سراج راہ گذار
عطائے شہ سے روانی ہوئی طبیعت میں ؛ لکھا یہ مطلع ثانی مطلعِ انوار ::

مطلع

جہاں میں آج نمایاں طرب کے ہیں آثار
کہ شہر کی سالگرہ کی ہے جشن کا دربار

دلوں میں جوشِ محبت لبوں پہ شکر خدا
ہر اک وفورِ عقیدت میں آج ہے سرشار

ڈنر کہیں ہے تو ایٹ ہوم کا کہیں جلسہ
کہیں پہ محفلِ رقص و سرود کی ہے بہار

طرب سے دلکش و موزوں ہیں جمگھٹے ہر سو
ہر اک ہے شاد ہر ایک جا خوشی کے ہیں اذکار

وہ آج لطف ہے کل کی نہیں کسی کو فکر
عیاں یہ ہے کہ زمانے سے اُٹھ گئے افکار

چمن میں آج عروسِ چمن کی شادی ہے
خوشی کا باغ کے در پر بندھا ہے حسن و ہار

بہار آئی کہ باغِ جہاں کی رُت بدلی
اُٹھا وہ ابر وہ سنکی ہوا وہ آئی پھوار

دبائے لیتا ہے چرخِ بریں کو اب بادل
گھٹا یہ جھوم کے اُٹھی کہ ہیں عیاں کہسار

یہ چوٹیاں ہیں پہاڑوں کی تا فلک پہونچیں
سیاہ ابر کے لکوں کی آ جمی ہے قطار

ہلائے دیتی ہے دل کیا گرج ہے بادل کی
کہ ان پہاڑوں میں گونجا ہے شیر یک بار

یہ صاعقہ کی چمک ہے سیاہ بدلی میں
کہ ایک شوخ کی چوٹی میں ہے کرن زرتار

وہ ایک آن میں گھنگھور چھا گیا بادل
شروع ہو گئی بارش رہا نہ دل کو قرار

جہاں میں آیا ہے پھر برشکال کا موسم
ہے آٹھ سال کا یا آٹھ ماہ کا ہے خمار

مطلع

پلا دے ساقی مہوش کہاں کی استغفار ۔ کہ زاہدوں کے بھی غائب ہیں جبہ و دستار
عمامہ بیچ کے پیتے ہیں ایسے موسم میں ۔ نہیں پلاتے نہیں جیب میں اگر دینار
زباں پہ یہ ہے کہ خالی نہ اٹھ کے جائینگے ۔ جو نقد پاس نہیں پی رہے ہیں لیکے ادھار
سیاہ گھٹے کو ڈھانکا ہے سرخ قشقہ سے ۔ بنا ہے رشتۂ تسبیح رشتۂ زنار
ملونگا اب تو میں آنکھوں سے اسکی خاک قدم ۔ وہ آگیا ہے مرا ساقی مرا پری رخسار
ادائیں دیکھیں جو زاہد نے اس پریوش کی ۔ تو بھول بیٹھے ہیں حوران خلد کو یکبار
خدا کی شان نظر آرہی ہے جام میں آج ۔ نہ دھیان کل کا نہ گنتی میں آج ہے روز شمار
جو پوچھتا ہے کوئی مسکرا کے کہتے ہیں ۔ مریض عشق ہیں پیتے ہیں شربت دیدار
کلام یہ ہے دیے جا تو میں پیے جاؤں ۔ نہ ساغروں کی ہے گنتی نہ ہے خموں کا شمار
زباں پہ نہیں اور اور کے سوا کچھ اور ۔ رکے نہ دور نہ ساقی کے ہاتھ کو ہو قرار
بنا لیا ہے جو موسم نے سب کو متوالا ۔ تو ایک رنگ میں سب بے پیے بھی ہیں سرشار
پڑے ہوئے ہیں وہ ہر سمت باغ میں جھولے ۔ وہ مہوشان خوش الحان الاپتے ہیں ملار
کبھی تو گاتے ہیں ساون وہ پینگ لیکر ۔ ہوا میں زلف بکھر کر دکھا رہی ہے نکھار
کلیجہ تھام کے اف کہکے رہ گئے عشاق ۔ ہوا کے جھونکے میں سینہ سے ہٹ گئی جو خمار

شام جب سر پہ تو کوئلیں نکل آئیں ہے ‏— وہ پھوٹنے لگیں کلیاں کھلے وہ پھول ہزار

قفس میں اب تو نہ گھبرائیگی کبھی بلبل ‏— یہ شرط ہے کوئی سامنے ہو آئینہ دار

چمن میں شاد و فرحناک ہیں جو سب ہم چشم ‏— چھپی ہے آڑ میں پتوں کے نرگس بیمار

ادا سے ایک نے لب پہ مسی لگائی ہے ‏— سنوارتا ہے کہیں کوئی طرۂ طرار

حنا کی پھر تو نہ حاجت رہی ہے سرخ ہوا ‏— پڑا جو عارض رنگین گل پہ دست چنار

چھلک رہے ہیں گہر یا ہیں قطرۂ نیساں ‏— چھلک رہے ہیں مصفا جو باغ میں انہار

لہک رہا ہے یہ سبزہ کہ مخملی ہے بساط ‏— مہک رہا ہے وہ تختہ گلوں کا عنبر بار

چہک رہے ہیں عنادل کہ ارغنوں کے ہیں ساز ‏— بہک رہے ہیں جنھیں سن کے وجد میں میخوار

دمک رہا ہے گل اشرفی پہ وہ کندن ‏— چٹک گئی وہ کلی ہیں عیاں سنہرے تار

چمک رہے ہیں وہ پتوں پہ قطرۂ شبنم ‏— دہک رہی ہیں کہیں پتیاں جو ہیں گلنار

طیور وجد میں وہ اڑ رہے ہیں غول کے غول ‏— اتر کے نہر پہ بیٹھے ہیں وہ قطار قطار

دلوں میں بیٹھ گئی ہے صدا پپیہے کی ‏— جنوں کو یاد دلاتی ہے پی کہاں کی پکار

وہ گرد سرو کے تاورے ہیں قمریاں ہیں چند ‏— گلوں کے بیچ میں وہ بلبلوں کی ہے چہکار

وہ حسن سے طائروں کے پھول جھڑتے ہیں گویا ‏— سمجھا رہے ہیں پودوں کو جو کھول کر منقار

سماں یہ دیکھ کے رقصاں ہیں باغ کے حاشیں ‏— سماں یہ دیکھ کے حیراں ہیں باغ کے اشجار

آخر جو سالگرہ کی شادی کا نقشہ کھینچا
دعائیں دینے کو آیا وزیر بھی ہو گیا تیار

ہزار سال رہے جشن یہ شادی میں
ہر ایک سال میں آئیں جب پچاس ہزار

ہر ایک بار رجب میں ہوا کرتے ہیں عید
محاسبوں سے زمانہ کے جب نکا ہو شمار

منائیں سالگرہ ہم حضور کی ہر سال
دکھائیں نظم میں ہر سال ایک تازہ بہار

رہیں حضور کے دشمن جہان میں پامال
جو دوست ہیں وہ ہوں سرفراز و شاد لیل و نہار

عدو حضور کے خوار و ذلیل و رسوا ہوں
گرائے قعر مذلت میں چرخ کج رفتار

رہیں سروں پہ ہمارے حضور سایہ فگن
رہے جہان میں قائم سدا یہ عز و وقار

جہاں میں شاد رہیں شاہزادگان دکن
جہاں میں شہرۂ آفاق ہو یہ عیش مدام

شمال جد و پدر عرش بارگاہ [illegible]
ہیں یہ ظل ہمایوں شہ میں لیل و نہار

[illegible]
بڑھائے دولت و اقبال ایزد غفار

گلشن دہر میں ہے فصل [illegible]
[illegible] جو سال کا نقشہ

جوش میں آ کے چہکتے ہیں عنادل ہر سو
گل مہکتے ہیں لہکتا ہے کہیں سبزۂ تر

ہو نہ بیدار کہیں سبزۂ خوابیدۂ باغ
چلتی ہے آج دبے پاؤں یہاں باد سحر

یک زبان کہتے ہیں سب کچھ نہیں مخمل کی بساط
سب کی آنکھوں میں کھبا جاتا ہے یوں سبزۂ تر

نام کو بھی تو نشاں خشک درختوں کا نہیں — فیضِ قدرت سے ہوا جاتا ہی ہر نخل خضر

پھول جو کھلتا ہے نرگس کی نگہ پڑتی ہے — آڑ کر لیتے ہیں پتے کہ نہ لگ جائے نظر

چشمِ بد بیں کا نہیں خوف یہاں کچھ اصلا — نظرِ بد کا شگوفوں پہ بھلا کیا ہو اثر

آتشِ عارضِ گل بڑھ کے جلا دیتی ہے — دل عنادل کے ہیں اسپند تو تھالے مجمر

شاہدِ فصل بہاری پہ کریں تا کہ نثار — اپنی مٹھی میں لیے بیٹھے ہیں سب غنچے زر

کہیں طاؤس نے ہے رنگ جمایا اپنا — رقص کرتا ہوا پھرتا ہے اِدھر اور اُدھر

ہے کنارِ لبِ جو مرغِ خوش الحاں کی قطار — بیچ میں نہر کے ہے جلوہ نما نیلوفر

رُخ پہ لالے کے نہیں داغ یہ ہے خالِ سیاہ — اور اگر غور سے دیکھو تو یہ ہے عکسِ نظر

وہ پڑھوں مطلعِ بیدار کریں جس سے طیور — چونک اُٹھے سبزۂ خوابیدہ بھی آنکھیں مل کر

مطلع

مسکرا دیتے ہیں غنچے بھی صدا سُن سُن کر — عندلیبانِ خوش الحان کے غضب ہیں چہچہے

ہیں نواسنج گلستاں ہیں عنادل سحر — وجد میں جھوم رہے ہیں چمنستاں کے شجر

دل اُسے دیکھ کے لہلوٹ ہوا جاتا ہے — آج سوسن کی زباں پر بھی کوئی ہے منتر

گلِ نرگس پہ نظر کر کے نہیں اٹھتا ہے — دل کو الجھاتا ہے زلفوں میں کہیں سنبلِ تر

[illegible] پہ نہیں قطرۂ شبنم کی جھلک — ہے زمرد کا طبق اس پہ ہیں غلطاں گوہر

ہے نمو صانعِ قدرت کا نمونہ دیکھو
نگراں سبزۂ نوخیز بھی ہے اُٹھ اُٹھ کر

مطلع

تخم بوتے ہی وہ اُگ آئے مع برگِ شجر
ابھی غنچے ہوئے گل گل سے نکل آئے ثمر

سوئے گل اُڑ کے ابھی آئے کہ ہے فصلِ نمو
چھوڑ دو بلبلِ شیدا کو اگر کاٹ کے پر

ہے ترقیِ بصارت کہ خدا کی قدرت
سارے عالم کی خبر دیتا ہے اک تارِ نظر

وجہ آرائشِ بستانِ جہاں اس سے ہے
سر سری کہہ گئی آ آ کے یہ بادِ صرصر

آج ہے سالگرہ اُسکی زمانہ میں سنو
ہے جو سلطانِ دکن بادشہِ نیک سیر

سُن کے یہ مژدۂ جاں بخش ہوا سب کو سرور
اپنے جامے سے ہوئے جاتی ہیں گل بھی باہر

مطلع

ساقیا جلد پلا مجھکو شرابِ احمر
لاکے لبریز مرے لب سے لگادے ساغر

لو اٹھا ابرِ سیہ ٹھنڈی ہوا چلنے لگی
مغبچو پیرِ مغاں آئے بچھا دو منبر

خطبہ خوانی ہو کہ اس مے کا ہے پینا مشروع
محتسب کا نہ رکھو خوف نہ قاضی کا خطر

میرے ساقی نے دیا جام کھلا جادۂ نظم
ہاں ذرا تیغِ زباں تو بھی دکھادے جوہر

مطلع

شاہ کی سالگرہ کی جو خوشی ہے دل پر
مسکراتا ہوا پھرتا ہے ہر اک فردِ بشر

وہ عمارت ہے جہاں سیر کے چرخ بلند
کہیں شرماتے ہیں تارے کہیں تارہ [illegible]
ماہتابی سے ہو رات کو دن کا عالم

جا کے سیارۂ افلاک سے جو لیں ٹکر
ہیں وہ گولے جو کریں گوشِ سرافیل کو کر
پھلجھڑی باغ میں پھولوں کی کھلا دیتی ہے

مطلع

خسروِ ملکِ سخن کی ہے ثنا مدِّ نظر
اے قلم سوئے ادب ہے شہِ ذی شاں آج صریر
سرِ اقدس میں خیالات حکیمانہ ہیں
رائے صائب سے فلاطوں بھی سبق آ کے پڑھے
کیا کہوں کیسی ہے پیشانیِ انور کی ضیا
دونوں ابرو ہیں کہ محراب درِ کعبہ ہیں
دفترِ حسن یہ ہیں صاد اگر غور کرو
نگہِ لطف سے ہوتے ہیں گدا مالا مال
دہنِ تنگ کی فرضی بھی نہیں ہے تمثیل
[illegible] ضیا آپ کے دنداں کی سی
[illegible]

ہے بجا تارِ نظر سے جو بنا لے مسطر
اشہبِ فکر سنبھل دیکھ نہ لینا ٹھوکر
زیب وہ تاج کو ہوتا ہے یہ فرقِ انور
حالِ استقبال و ماضی ہے جہاں پیشِ نظر
سرنگوں جس کے مقابل ہیں ہوئے شمس و قمر
مفترض حق نے کیا جس کا ادب انساں پر
چشمِ بد دور وہ آنکھیں جو مروت کا ہیں گھر
شیر بھی لا نہ سکے تاب جو ہو تیز نظر
کیا کہے تمثیل بھلا چپ نہ ہوں میں کیونکر
آبرو جائے مقابل ہو جو سلکِ گہر
جس پہ ہر وقت رہا کرتا ہے [illegible]

مطلع

دیکھ لے حسن خداداد کو اک بار اگر
ہے گلا نور سے معمور اگر غور کرو
دستگیری کے لیے دست مبارک وہ ہیں
پھر لکھوں مطلع خورشید سے بہتر مطلع

دل یوسف بھی پھنسے چاہ ذقن میں آ کر
صدر وہ جو کہ ہے گنجینۂ علم و ہنر
کھلتے ہیں ناخن تدبیر سے عقدے اکثر
پائے اقدس پہ میں آنکھوں کو ادب سے مل کر

مطلع

سر جھکائے در دولت پہ سدا وقت سحر
لوگ کہتے ہیں جسے ظل خداوند قدیر
ایسے پیارے ہیں ہر اک شخص کو اعلیحضرت
ہے وفا اور رعایا کی وفا تیغ تری
سب رعایا خوش و خرم ہے نہیں کچھ بھی تکلیف
ہوگئے حاسد و نمام یہاں سے مفقود
گرگ و بز ایک ہی گھاٹ آ کے پئیں گے پانی
روح کسریٰ بھی اسے دیکھ کے خوش ہوتی ہے
بادباں عدل کا گر ہے تو اسی کا دامن

بہر تسلیم چلا آتا ہے شاہ خاور
حیدرآباد پہ وہ شاہ ہے سایہ گستر
سب رعایا دل و جاں سے ہے فدا حضرت پر
روش انور پہ مزین ہے دعا انکی سپر
امن و آسایش و آرام کا یہ ملک ہے گھر
زر کا نام کو بھی ملک میں اک بانی شر
باز و گنجشک رہیں ایک جگہ ہو نہ خطر
خسرو ملک دکن ہے وہ عدالت گستر
زورق معدلت و دولت و دیں کا لنگر

فخر سے آئے سنددار وں میں وہ شاد ہوتا
آپ کے وقت میں ہوتا جو کہیں اسکندر

دیکھکر قصر معلی کو ہر اک حیراں ہے
آئینہ خانہ بنا دیتا ہے سب کو ششدر

چار مینار تو ہیں عرش سے باتیں کرتے
گر مسجد میں ہوا کرتا ہے ذکر داور

بیمحل یہ نہیں بیمثل ہے یہ جو محلہ
شش جہت میں تو نہ ہوگا کوئی اسکا ہمسر

کنگ کوٹھی کی وہ زینت ہے کہ ماشاء اللہ
رونق افروز یہاں رہتے ہیں حضرت اکثر

ایک کا رات کو پہرہ ہے تو اک دن کو
تیری ڈیوڑھی کے ہیں دربان سدا شمس و قمر

سب امیران اولوالعزم ترے حلقہ بگوش
جمع رہتے ہیں شب و روز در دولت پر

عہدہ داروں میں بھی لاکھ سے ہیں لائق ہر اک
کس کی تعریف کروں ایک سے ہیں اک بہتر

قوتِ ملکِ دکن شاد کو ہیں ایسے عزیز
اس ریاست کے بہی خواہ ہیں عالی گوہر

مدحِ سلطاں سے کدھر ذہن ترا جا پہونچا
جائے آداب ہے ہشیار ہو بس اے یاور

جوش میں آکے ابھی رزم کا نقشہ کھینچوں
تو جو شمشیر قلم اپنے دکھا دے جوہر

مطلع

میرے ممدوح کے قبضہ میں جو ہے تیغ دوسر
اس کے قبضہ میں اسی طرح سے ہے فتح و ظفر

دیکھکر جاہ و حشم گاہ نہیں دیتی ہے
خوف سے کانپتا ہے مہر فلک بھی تھر تھر

رعب کہتے ہیں اسے جاتے ہیں جب سر شکار
اپنے بیشوں میں دبک جاتے ہیں سب ضیغم نر

شیر دل شیر فگن بحرِ شجاعت کا نہنگ
[illegible] کی دنیا میں [illegible] ایسا ہوا [illegible]

بادشاہانِ جہاں آپ کے ہوں باجگزار
رنگ [illegible] باندھ [illegible] آپ کا

زیب ہے تیرے لیے خلق کی شاہنشاہی
ہے تیرا [illegible] علم [illegible] بھی [illegible]

رنگیلوں کا وہ رسالہ ہے کہ ماشاءاللہ
جس میں ہر ایک ہے [illegible] پیل دمان [illegible]

بسرم کی ہے وہ پلٹن کہ نہیں جس کی نظیر
فوج افغان [illegible]

وہ عرب جنکی شجاعت میں نہیں جنکے پس و پیش
[illegible] فوج [illegible]

توپخانہ میں وہ توپیں جو ہیں بے مثل و نظیر
انکے گولے [illegible]

گولکنڈہ کی ہے وہ قلعہ شکن فوجِ حضور
جس میں ہر ایک [illegible]

افسر فوج ظفر موج ہوئے افسرِ جنگ
وہ سپاہ [illegible] خطاب [illegible]

الغرض جمع ہیں استاد ہر اک فن کے یہاں
آستاں آپکا ہے مرجعِ اربابِ ہنر

سیکڑوں کوس سے لوگ آئے ہوئی قدر یہاں
ذات ہے حضرتِ اقدس کی سخا پرور

ناز ہے جسپہ سخاوت کو یہ ایسا ہے سخی
حاتم وقت ہے یہ بادشہ نیک سیر

ہاتھ پھیلا کے جو سائل نے کیا آ کے سوال
[illegible] گیا آپ کے دربار [illegible]

آستانے کو ترے دیکھ کے سمجھے یہ ہنر
ہم زمانے میں سنا کرتے تھے پارس پتھر

اب میں اس جا سے نہ جاؤنگا نہ جاؤنگا کہیں
نہ اٹھا ہی نہ اوٹھے گا درِ دولت سے یہ سر

ہز اگزالٹیڈ ہائینس حضور پر نور نظام الملک میر عثمان علیخاں بہادر
فرمانروائے ملک دکن خلد اللہ ملکہ و دولتہ

جہاں میں روح افزا جب نسیم خوشگوار آئی
بہار آئی اور آ کر کی دکن میں مسند آرائی

تماشا ہے کہ سرو باغ بھی گلگشت کو اُٹھے
تحیر ہے چلے شمشاد بھی بنکر تماشائی

گیاہِ سبز ہے یا فرش ہر سو سبز مخمل کا
اُدھر سبزہ نظر آیا جدھر کو آنکھ دوڑائی

طراوت بخش ہے سبزہ کھبا جاتا ہے آنکھوں میں
جو نظارہ کرو دم بھر تو بڑھ جاتی ہے بینائی

عنادل کو نہیں ہے دل پہ قابو ہیں نہ خود رفتہ
گلوں نے گل رخوں سے یوں اُڑایا طرز رعنائی

زمین باغ و صحرا اب کہاں پھولوں سماتی ہے
جھکا پڑتا ہے جس کی دید کو خود چرخ مینائی

ستارے ہو گئے حیرت سے مثل چشم قربانی
گلوں کی دید سے بزم فلک کی آنکھ پتھرائی

زمیں بھی تنگ آئی کثرت گل کا یہ عالم ہے
قشون ابر نے بیچوں سے آخر چھاؤنی چھائی

ہزاروں پھول رنگا رنگ کے ہر سو نظر آئے
بہارِ خلد پر ہنسنے لگے گلہائے صحرائی

ہر اک تختے میں سو سو رنگ قدرت نے بھرے لاکر
ہر اک گل میں ہزاروں تتلیوں نے ہی جگہ پائی

سمائی جب نہ دیکھی باغ میں آخر تو اکتا کر
سمٹ کر ہو گئے گل نے باغ کی پیلی پھر آئی

پسی جاتی ہیں بلبلیں کوئی حد ستانے کی ہوتی ہے
نمو کے جوش نے گلزار کی دیوار پھیلائی

شفق بنکر ہوا سنجاف دامن بہر آرائش
گلوں کا رنگ آخر لے اُڑا یوں چرخ مینائی

ادب آموز حسن و عشق دیکھا طفل غنچہ کو
سبق بھولے گل نرگس نے بڑھکر آنکھ دکھلائی

صبا نے ناز معشوقوں کے سیکھے ہوئے گل لیکر
چلی جاتی ہے سن سن بلبلوں کو دیکے کترائی

وہ تختہ نرگستاں کا وہ تختہ سنبلستاں کا
نگاہیں جسپہ ہیں بہلول زلفیں جسکی سودائی

طرب انگیزیاں ہر سو نمایاں تھیں یہ گلشن میں
نسیم صبح جاکر مژدۂ جاں بخش لے آئی

ہوئی پہلی رجب کی سالگرہ سال ہجریونکی
سبھی خواہان دولت تھے اسیدن کے تمنائی

ہمارے شاہ کو جشن اسی خالق مبارک ہو
اسیکے فیض سے ہے سلطنت کی رونق افزائی

ہمارے تاجور کی عقل و دانش کے ہیں سب قائل
مسلمانوں پہ کیا موقوف ہندو ہوں کہ عیسائی

اسی کا آج خطبہ پڑھ رہے ہیں گبر اور ترسا
ہوئے حلقہ بگوش اسکے کنشتی و کلیسائی

وہ عقدے حل ہوے ساری جو تھے رسوا کن اہل دل
اسی کی ناخن تدبیر نے کی ایسی گیرائی

وہ الجھی گتھیاں وہ مشکلیں نظم ریاست کی
بڑی فرزانگی سے آپنے اکا ایک سلجھائی

ہمارے شاہ نے وہ معرکے سب فتح کر ڈالے
سبھی خواہان دولت کو ہوئی تھی جنسے پسپائی

جو منظور نظر تھا کرلیا تدبیر سے حاصل
چلی آگے نہ اسکے عاقلوں کی عقل آرائی

وقائع پوسٹ آفس کی کرنسی نوٹوں کا اجرا
اسی کے عہد میں طے ہوگئی امید بر آئی

اسیکے عہد میں باب حکومت ہوگیا قائم
ہوا وہ صدر مشہور جہاں ہے جسکی دانائی

مؤید ملک کے ہیں صدر اعظم ای زہے شوکت
معزز کیوں نہوں جب شاہ نے کی عزت افزائی

[illegible] شہر کی خوشی [illegible] ۔۔۔ جس [illegible] دیکھی [illegible] شرائی

سنے ہیں پہلے بھی تھا قرطبہ بغداد بھی ایسا ۔۔۔ وہ تھی ہی یہاں خوبی نظر کے سامنے آئی

شفاخانہ ہو کے جو بنا شہر یہ وہ بات سچی ہے ۔۔۔ نہیں دل کا مقولہ ہی یہی کہتی ہے بینائی

اسی کے عہد میں سڑکوں کو یہ وسعت ہوئی حاصل ۔۔۔ کہ جس کے حاشیہ پر ہے فضائے چرخ مینائی

گلی کوچے جو کج و تنگ تھے راہ راست پر آئے ۔۔۔ حصار اسکے ہیں اب خندق ہے نہ ہی کھائی

وہ ہائیکورٹ اسکے عہد کی عالی عمارت ہے ۔۔۔ نظیر اسکی جہاں میں ڈھونڈھ آئے پر نہیں پائی

وہ افضل گنج میں اعلی بنا ہے ڈاکٹرخانہ ۔۔۔ ہوئی فرحت ہر اک بیمار کو آئے شفا پائی

اسی کے عہد میں تالاب با وسعت بنے ایسے ۔۔۔ کہ جن سے راہ شادابی کی ساری ملک نے پائی

یہ ہیں سرچشمہ فیض ان سے نہریں جابجا جاری ہیں ۔۔۔ زراعت یوں بڑھے ہر اک کہے امید بر آئی

ہمارے تاجور کی یہ رعایا پروری دیکھو ۔۔۔ جو آیا قحط لاکھوں کی مدد حضرت نے فرمائی

کیا اک محکمہ قائم بکثرت جسکی شاخیں ہیں ۔۔۔ جنہوں نے گوشہ گوشہ میں مدد ہر اک کو پہنچائی

غذا جن کو نہ ملتی تھی ہوئے تھے سوکھ کر کانٹا ۔۔۔ ہوئے فربہ بڑھی قوت پلٹ آئی توانائی

دعائیں شاہ کو دینے لگے جب ہوش میں آئے ۔۔۔ بچائی جان حضرت نے تن بیجاں میں جان آئی

اسی نے سوچ سمجھی تھی یہ اس اردو کی قابلیت ۔۔۔ اسی عیسیٰ النفس کی فکر سے آئی توانائی

سسکتی تھی زبان اردو کی اس سے جان آئی ۔۔۔ بحکم شاہ دار الترجمے کی [illegible]

ہر اک علم و ہنر میں طاق اور مشاق ایسے ہوں
کہ پہنچائے جہاں کو فیض انکی خامہ فرسائی

نہ یورپ کی محتاجی کہ پھر اُستادِ فن آئیں
سکھائیں ملک کو اپنے جو ہی تعلیم خود پائی

ریاضی فلسفہ اور ہندسہ اور یونہی پڑھ لیں
وہ ہوں سائنس میں کامل کریں پھر عقل آرائی

پڑھیں جغرافیہ علم مساحت ہیئت و منطق
وہ سب ہوں فردِ علم و فن میں رکھیں شانِ یکتائی

کریں ایجاد علم و فن کہ ایسے نام ہو جس سے
کہیں سب لوگ ظل اللہ کی ہے کارفرمائی

ہمارے تاجور نے بات کوئی کب اٹھا رکھی
فلاحِ ملک کی تدبیر ہر اک شہ نے فرمائی

ہوئیں ہر حکم شہ سے درسگاہیں جا بجا قایم
کہ فیضِ علم سے آئی ہر اک دل میں توانائی

وہ عثمانیہ کالج جسکا مثل ابتک نہیں دیکھا
وہ یونیورسٹی جسکی مثال ابتک نہیں پائی

ہوا وہ محکمہ صنعت کا اس کے عہد میں قائم
کہ جس سے صنعت و حرفت کے قالب میں ہے جان آئی

ہوئی اصلاح ہر اک محکمہ کی ہو گیا شہرہ
کیا وہ شہ نے جو تھا مقتضائے عقل و دانائی

عدالت کا وہ اعلیٰ نظم اس عادل نے فرمایا
نگاہوں سے جہاں کی گر گیا ہے عہد کسرائی

ہمارا تاجور ہے عدل گستر اس زمانہ میں
کرے کسریٰ نہ اسکے سامنے دعوائے یکتائی

عنایت وہ کہ دنیا بھر نے جسکو لیے مانا ہے
سخاوت وہ سبق دے جس سے آکر حاتم طائی

شجاعت وہ دمِ پیکار گر اس کی دہائی دیں
تو اس کے نام سے دشمن کی لشکر کو ہو پسپائی

مروت وہ کہ ہے ساری رعایا جان سے حاضر
خدا کا شکر ہے سب کی زباں پہ ہے سب شیدائی

عبادت وہ کہ جس کا نور پیشانی سے تاباں ہے
ہے اس کا فخر درگاہ خدا میں ناصیہ سائی

مروت وہ کہ اکثر چشم پوشی دشمنوں سے کی
خطا بھی گر کسی نے کی تو شہ نے عفو فرمائی

فتوت وہ کہ قدرت حق تعالیٰ نے عطا کی ہے
کسی خاطی نے جب مانگی اماں فوراً اماں پائی

ریاضت وہ کہ خلق اللہ کے انجاح مقصد میں
سحر سے شام کر دی اور طبیعت کچھ نہ گھبرائی

محبت وہ رعایا سے جو ہے ماں باپ سے بڑھ کر
بھلا شفقت کہاں ماں باپ میں ایسی نظر آئی

فصاحت وہ خدا نے دی فصیحوں نے جسے مانا
بلاغت وہ کہ ہے قابو میں شہ کے نکتہ پیرائی

قلم سے شعر جو نکلا وہ دُرّ موتیوں کا ہے
طبیعت ابر نیساں ہے کہ جس نے کی گہر زائی

بھلا اس شاہ فن کے سامنے میرا قصیدہ کیا
اگر کچھ قدر فرمائی تو ہے یہ عزت افزائی

قلم رکھا اٹھا [illegible] سے پچھتا کے پھر [illegible]
نہ آخر لکھ سکے ہم کی بہت کچھ خامہ فرسائی

[illegible] ہے
[illegible]

جو دیکھا غور سے تو ہے تجھی پہ فیض کا مرکز
ترے حسن کرم کا ایک عالم ہے تمنائی

ترا جود و سخا دریائے بے پایاں نظر آیا
سبب کیا گر یہ مانگا کسی نے تو نہیں پائی

سماعت اور بصارت ہیں یہ دو نوشاہ عادل
سنی ایسی سخاوت اور نہ دنیا میں نظر آئی

قبائے حکمرانی ٹھیک تیرے قد موزوں پر
ترے فرق مبارک پر ہے زیبا تاج دارائی

قصیدہ کا صلہ مل جائیگا سرکار سے یا در
دعائیں شاہ کو دو جس کے دل سے ہو تمنائی

ہمیں دینا ہے یارو تاجور کو تہنیت لکھکر
ترقی پر ہے اس تاجور کا ملک آبائی

رہے یہ شادماں پیہم دعا ہے یارو قصہ مختصر تا کے
اسی کی ذات سے ہے مملکت میں آج زیبائی

رہیں اعیان دولت شاد و خرم دوستدار ان کے
ہو دشمن جو کہیں دنیا و عقبیٰ میں ہو پسپائی

مبارک ہو ہمارے تاجور کو جشن سالانہ
کریں ہر سال خوش ہو ہو کے ہم سب بادہ پیمائی

زباں پر نام بادہ کا جو آیا دل ہوا بیکل
مرے قلب و جگر میں شوق نے اک آگ بھڑکائی

گھروں سے اٹھیں برا عالم ہوا ہے پینے والوں کا
کبھی بیساختہ آئی جمائی گاہ انگڑائی

مئے مشروع مجھکو چاہیے ہے خلد کی ساقی
شہ اسلام کا ہی جشن ہم سب جسکے شیدائی

قصیدہ ختم کرکے اک غزل یا دو ذرا لکھ ڈالی
سنا جب تو نقاد سخن کو بھی پسند آئی

غزل

اٹھا او ساقی مہوش کہ بنے عالم میں بہار آئی
کہ رت بدلی ہوا سنکی گھٹا اٹھی پھوار آئی

دل وحشی کو پھر صحرا کی سوجھی پھر بہار آئی
پکارے مور گرجا ابر آواز ہزار آئی

جنھیں کو ڈھونڈتی حسرت تھی جب تا بنزار آئی
انھیں بھی شرم آئی شرم بھی کچھ شرمسار آئی

لبوں تک آچکی تھی پھر بدن میں جان زار آئی
سواری اس مسیحا کی جو وقت احتضار آئی

جنوں صحرا کی جانب لے چلا جب کنج عزلت سے
ہوا معلوم مجھکو پھر زمانہ میں بہار آئی

دل غمگیں پہ ٹوٹا آسماں گرد کدورت کا
زمیں اک اور بالائے زمیں بہر فشار آئی

میرے مرقد پہ وہ آئی کہاں ایسا مقدر تھا
مگر ہاں فاتحہ پڑھنے کو حسرت سے گوار آئی

گلستاں میں گھٹا کا جھوم کر آنا تماشہ تھا
کہ جس کی دید کو بجلی بھی ہو کر بیقرار آئی

اُسے کل دیکھکر سکتہ سا کیوں تجھکو ہوا اے صبح
تری حیرت پہ مجھ کو تو ہنسی بے اختیار آئی

پسینہ مجھکو آیا سر سے اونچا ہو گیا پانی
جو سر پر بوالہوس کی اُسکی تیغ آبدار آئی

ملائی جب نظر اُسنے چلا پہلو سے دل کھچکر
نگہ پھیری کلیجہ پر چھری بے اختیار آئی

اُنھیں عشاق کی گنتی میں میرا دھیان آتا ہے
جو میری یاد آئی بھی تو کچھ وقت شمار آئی

کٹی کن مشکلوں سے ہائے وہ کل کی شب فرقت
الٰہی خیر ہو پھر آج شام انتظار آئی

کہیں کیا ہمنشیں کس طرح راز اپنا ہوا افشا
کہ لب پر آہ آئی اور پھر بے اختیار آئی

توکّل میں بسر کی عمر بھر حیرت رہی مجھکو
مری روزی کہاں سے اے مری پروردگار آئی

ہنسی آئی مجھے تھا ناز ایسا اُسکی رحمت پر
جو میری فرد عصیاں سامنے روز شمار آئی

جناں کو بھول کر سرشار اُلفت ہو گیا رضواں
تری کوچہ سے کچھ ایسی ہوائے خوشگوار آئی

مقدر میں لکھا تھا زندگی بھر منتظر رہنا
کہ ہم کو موت بھی آئی تو بعد انتظار آئی

نسیم صبح کیا اترائی چھو کر زلف شبگوں کو
مرے زخموں پہ ہونے کیلئے پھر مشکبار آئی

اُنھوں نے پارسائی کی جو ظاہر غیر کی آگے
لبوں پر مسکراہٹ یہاں مرے بے اختیار آئی

نہ جمنے دی کبھی پٹری جہانکے شہسوارونکی
تجھے شوخی یہ کس کی ابلق لیل و نہار آئی

ہمیشہ جان ہی دیتا ہے تم تو حسینوں پہ | مگر یہ آبرو تحریر بھی شرم کچھ اسحاب کار آئی

جشن

شگفتہ ہو گئیں کلیاں نسیم پھر آئی
نوید جشن طرب سوسنوں میں پھر لائی

ہوا نے پھر جو معطر کیا دماغ اپنا
یہ کس کی زلف کی خوشبو اڑا کے لے آئی

نسیم صبح تھی پہلے ہی سے زندہ رفتہ
چلی جو زلف کے کوچہ سے اور اترائی

ہماری زخم جگر خندہ زن گلوں پر ہیں
نسیم آئی ادھر اور مشکبار آئی

کچھ اسطرح کسی پہ جھونکا طرب فزا آیا
کہ تازگی دل پژمردہ نے ابھی پھر پائی

ختن میں چھوڑ کی مشک ختن کی خوشبو کو
لپٹ نجف کے چمن کی دلہن سے پہنچائی

رہا نہ عنبر سارا کو فخر خوشبو کا
شمیم سنبل مشکیں کا خود ہے شیدائی

بسی ہوئی ہے ریاض نجف کی پھلواری
نسیم خلد بریں بھی ہے اسکی سودائی

طواف روضۂ اقدس پہ کر کے آئی ہے
قدم لگاؤں میں آنکھوں سے دی جو دکھلائی

اسی کی خاک قدم توتیائے چشم بنی
مگر ہے شرط کہ رکھتا ہو کوئی بینائی

ہر ایک نقش قدم اسکا فرحت افزا ہے
شگفتہ ہو گئی دل کی کلی جو مرجھائی

گل نجف کی جو نکہت ہے دوش پر اسکے
ہزاروں ناز سے ہر قدم پہ اٹھلائی

اسی نسیم سے تازہ ہوئے گل فردوس
دہل کے پھول بنی تھی کلی جو کمھلائی

عجب اثر ہی کہ وہ بھوک پیاس سب بھولی
کسی نے باغ جہاں میں جو یہ ہوا کھائی

نسیم سیکھ کے آئی کہاں سی یہ انداز
چلی تو تل کے چلی اور نہ چھاؤں کھلائی

عجیب ناز سے اُس نے اُٹھایا دامن
یہ نوک خار سے الجھی کبھی نہ اولجھائی

ہزار خار مغیلاں نے سر اُٹھایا تھا
مگر نکل یہ گئی صاف دہی کے کترائی

نسیم کیوں نہ چلے آج چال مستانہ
خوشی کا روز ہی عید غدیر پھر آئی

اُسی کے نے رفع کیا انقباض خاطر کو
پڑی تھی دل میں جو گتھی اُسی نے سلجھائی

علیؑ کو اپنا کیا جانشین نبیؐ نے آج
یہ انتخاب ہوا پھر مسند آرائی

مراجعت جو ہوئی حج سی سرور دیں کی
مقام خم تھا کہ اکبار وحی حق آئی

ہوا یہ حکم کہ تم یا نبیؐ کرو اعلان
خدا کے حکم سے ہوتی ہی عزت افزائی

کثیر خلق حجاج ساتھ آپ کے تھا
حضور شاہ زماں آئے جب خبر پائی

بنا کجاووں کا منبر چڑھے نبیؐ کریم
پڑھا وہ خطبہ ہوئے محو جس سی شیدائی

خدا کی حمد نبیؐ کی زبان سے صل علیٰ
ہر ایک نفس پہ اک بیخودی سی تھی چھائی

خدا کی حمد و ثنا کرچکے تو حضرت نے
پکڑ کے بازوئے حیدر یہ بات فرمائی

کہ اے گروہ یہ مولا تمہارا سب کا ہے
کہ جانشین ہی میرے بعد یہ مرا بھائی

تمہارا ہادی و مشکلکشا اسے پہچانو
رہے خیال علیؑ کے رہو تو لائی

یہ حکم حق ہی جو پہنچا رہا ہوں تم سبکو
خدا کے حکم کو سُن لو کرو پذیرائی

کہا یہ سب نے کہ سمعاً و طاعۃً شاہا
ہمیں بھی دل سے خلافت یہی پسند آئی

مطیع و تابع فرماں رہینگے حضرت کی
کیا زباں سے اقرار اور قسم کھائی

علی سا بندۂ یکتا کبھی نہ پائے گا
ہزار سال کرے دور چرخ مینائی

شک اس میں کیا ہے کہ اُس مسند نبوت پر
بجز علیؑ کے کسی کو بھی تھی نہ زیبائی

ستارہ شمس و قمر کا بھلا چمکتا یوں
علیؑ کے در پہ جو کرتی نہ وہ جبیں سائی

شریک جنگ نہوں کونسا وہ غزوہ تھا
پھرے مظفر و منصور جب ظفر پائی

خدا کی شان نظر آئی جنگ خیبر میں
اُٹھے مصلّوں سے قدسی ہوئی تماشائی

ملا وہ اذن جو ہے وہ جہاد پر حیدر
ہٹا غبار علم نے جھلک وہ دکھلائی

وہ پہنچے عرصۂ جنگاہ میں یہ شان شکوہ
وہ دبدبہ تھا کہ رن کی زمین تھرائی

نکلنا قلعے سے مرحب کا وہ بہ لاف و گزاف
جہان بھر میں تھی مشہور جس کی یکتائی

وہ طینت کہ سمجھتا تھا زال رستم کو
لڑائیاں تھا لڑا پر نہ چوٹ تھی کھائی

بڑے غرور میں مستانہ وار آیا تھا
علیؑ کے سامنے پھر بھی یہ مرتی چھائی

کمک کو ساتھ تھا ابلیس دل بڑھانے لگا
چراغ بجھتا تھا تبھی کچھ اُسنے اُکسائی

ہر اک حربہ سے پھر حملہ ور ہوا ناری
بھڑک کے شعلہ صفت اُسنے آگ برسائی

خدا کے شیر کو غصہ آیا وہ اُٹھی تلوار
مثال برق وہ مرحب کے فرق پر آئی

اس ایک ضرب میں توسن سمیت وہ تھا
اس ایک ضرب نے دیوار کفر کی ڈھائی

اسی لڑائی میں جبریل کے کٹے کچھ پر
چلی نہ حضرت میکال کی توانائی

اکھاڑنا در خیبر کا وہ بوقت نبرد
وہ جست و خیز کہ جس سے زمین تھرائی

امیر کشور دین شہریار ملک عرب
وزیر ختم رسل ختم جس پہ دانائی

شجاعت ایسی کہ ساونت ہاں جن تیغ تھے
قنوت ایسی کہ جو دب گیا [illegible]

عبادت ایسی عبادت کو ناز تھا جس پر
ریاضت ایسی کہ [illegible] شیر آئی

مروت ایسی کہ قاتل کیساتھ کی اپنے
عنایت ایسی کہ دشمن کے ساتھ فرمائی

امامت ایسی کہ آخر ہر ایک نے مانا
سخاوت ایسی کہ ہو دنگ حاتم طائی

فصاحت ایسی کہ قائل تھے افصح الفصحا
بلاغت ایسی کہ سحبی بیان میں جان آئی

مودت ایسی کہ اللہ نے پسند کیا
محبت ایسی کہ جس کے رسول شیدائی

قدامت ایسی کہ روح الامین کے ہیں استاد
کرامت ایسی عیاں جس سے شان یکتائی

مراتب شہ والا میں کیا لکھوں یاور
مناقب آپ کے اور میری خامہ فرسائی

جو آج نیک سیر دل سے جشن کرتے ہیں
ہزار شکر کہ عید غدیر پھر آئی

یہ ان کے والد ماجد کے وقت کی ہے بنا
کہ دل سے پنجتن پاک کے تھے شیدائی

تمام عمر وہ مداح اہلبیت رہے
جوار رحمت مداح اہل بیت سے

ہوا ہے ہم بیاہ دو بیشک تھی ... کامل | صفائے دل سے علی کی ہے ... آشنائی
عطا جنہیں ہوئے فرزند بھی رشید و سعید | ہے انکے پیش نظر نقش پائے آبائی

قصیدہ جشن

جہاں میں رشک فردوس بھی آب کی بہار آئی | جناں میں جس کے نظارہ کی حوریں بھی شیدائی
ملائک سب کی خاطر فلک سے تا زمیں آئے | جھکا پڑتا ہے چاروں سمت سے [illegible]
زمیں باغ بنکر آسماں سے بڑھ گئی ہے | ستاروں سے جگہ کو نہیں بڑھتی ہے کس رعنائی
بیاں باغ ایسی باصفا ہے جھلکتی ہے | فلک پہ کہکشاں جیسے مقابل کو شرمائی
زمیں سے آسماں تک ذرہ ذرہ رقص پہ مائل | عروسی حضرت زہرا کی بارغ دیں کی [illegible]
مبارکباد دینے کیلئے جبریل بھی آئے | نہایت خوش ہوئے میکال نے [illegible] جبرائیل
ہوئے یوں شاد اسرافیل اپنے فرض کو بھولے | کہ رکھکر صور حضرت نے لگائی منہ سے شہنائی
بنی خوشی میں خدا کا حکم ہے دولہا بنے حیدر | انہیں کے قصر پر زہرہ نے جا نغمہ سرائی
خبر یہ تھی نبی نے حکم حق کا یہ علامت ہے | ستارہ سے لڑی تھی آنکھ تھے اکثر تمنائی
مگر اب کامیابی کا علی کے سر بندھا سہرا | ازل سے بات یہ خلاق عالم کو پسند آئی
جہاں میں کون ہے عالی نسب والا حسب ایسا | علی ابن ابی طالب رسول اللہ کا بھائی
مراتب انکے عالی ہیں مناقب انکے عالی ہیں | بنے داماد پیغمبر ہوئی یہ عزت افزائی

مئے توبہ شکن ٹھنڈی ہوا اور رقت بھی شب کا
کہاں ہیں وہ نہ پینے کی جنھوں نے تھی قسم کھائی

نہ خوف محتسب ہے اور نہ کھٹکا ہمکو واعظ کا
نجف کے رند ہیں اور کربلا کے ہم ہیں سودائی

مرے عیسیٰ نفس مجھکو دکھا دے تو مسیحائی
رگیں ٹوٹیں کہ آتی ہے انگڑائی پہ انگڑائی

جماہی پر جماہی آرہی ہے ساقیا جلدی
نہیں ہے ضبط کی طاقت گئی دل سے توانائی

کہاں کا جام اور کیسی صراحی خم کا خم دیدے
پیے گا اوکھ سے بٹھائی ہوئی ہے تیرا سودائی

پیونگا جب میں چلو سے پڑیگی دلمیں کچھ ٹھنڈک
کہ میرے قلب میں ہے شوق نے اک آگ بھڑکائی

یہیں تو چاہیے خم غدیر اے ساقی مہوش
مئے کہنہ ہو اور ہم سب اسیکے ہیں تمنائی

یہ جتنے پینے والے ہیں ترے مشتاق ہیں ساقی
تری الفت ہے دل میں اور میں تیرا ہی شیدائی

کہیں کیا تجھ سے اے ساقی تجھی ہم کیا سمجھتے ہیں
تری خاک قدم ہے توتیائے چشم بینائی

مرا ساقی وہ آیا آپ سے میں ہو گیا باہر
خدا کیواسطے اب ہاتھ تو لینا مرا بھائی

مجھے اب لغزش پا کب سنبھلنے دیگی حیراں ہوں
کہ دونگا دست بوسی راہ میں ٹھوکر نہ گر کھائی

مدد اے جذب دل میں تو پئے تعظیم اٹھتا ہوں
عصائے شوق سے ہونے لگی ہے کچھ توانائی

میں گرتے پڑتے پہنچا آخرش ساقی کے قدموں تک
لگائی ہاتھ آنکھوں سے قدم پر کی جبیں سائی

وہیں پھر آکے بیٹھا سب جہاں میخوار بیٹھے تھے
وہی رندوں کی صحبت پھر وہی ہو حق کی بن آئی

مری اک ہمنشیں نے کی غزل کی مجھسے فرمائش
پڑھی میں نے تو نقاد سخن کو بھی پسند آئی

غزل

کہاں سے تم کہاں پہونچے ذرا سنبھلو تو اے یاور
علی کا ذکر لازم ہے کہ سب بیٹھے ہیں شیدائی

محبانِ علی کو رتبۂ اعلیٰ ہوا حاصل
عدو جو آپ کے ہیں انکی عالم میں ہے رسوائی

ہمیں تو یا علی جو کچھ سہارا ہے تمہارا ہے
جو سچ پوچھو تو دل سے ہم تمہارے ہیں تولائی

تمہیں دنیا میں حامی ہو تمہیں عقبیٰ میں ساعی ہو
تمہیں مشکل کشا ہو کی مدد مشکل جو بن آئی

ہمارا ہاتھ ہے اور حشر میں دامن تمہارا ہے
تمہارے ہی کرم سے دلکو اپنے ہے شکیبائی

گنہ سر زد ہوے ہیں ہم سے گو بحد بے پایاں
مگر ہاں قلبِ مضطر کو تمہیں سے ہے توانائی

شک اسمیں کیا تمہیں ہو ناخدائے کشتیِ اُمت
بھنور میں جب پڑی بادِ مخالف سے اُلٹ آئی

جو حق پہچاننے کا ہے تمہیں ہمنے نہ پہچانا
خدا جانے نبی جانے ہوے ہیں ہم تو سودائی

تمہارے وصف پھر تحریر میں آئیں تو کیا آئیں
خدا امکاں بھی کوسوں دور ہے کیسی شناسائی

قلم رکھا اُٹھایا دیر تک سوچا کئے یاور
نہ آخر لکھ سکے ہم کی بہت کچھ خامہ فرسائی

بہ جشنِ ولادت حضرت امام حسین علیہ السلام

کیا پیدا خدا نے قوتِ بازوئے شبّر کو
مبارک ہو رسول اللہ کو زہرا کو حیدر کو

جناں کا شاہزادہ آنیوالا ہے جو دنیا میں
چلی آئیں ہیں حوریں نقدِ جاں لیکر نچھاور کو

یہ سردارِ جوانانِ جناں ہیں شک نہیں اسمیں
انھیں کو دیدیا اللہ نے جنت کو کوثر کو

سلام

صدف سی کیوں نہ ہم بہتر کہیں اُس مہ پیکر کو
نظر سے جسکا ہر قطرہ گرا دے آب گوہر کو

شبِ عاشور جوشِ جنگ تھا یہ شہ کی لشکر کو
کبھی تجھے شام ہی سے زیبِ تن سب خود و مغفر کو

بتاؤ کیوں نہ پھر ہم فوق دیں اکبر حیدر کو
سوا مولا کے کسنے جا کے مارا عمرو عنتر کو

بروزِ جنگِ خیبر شیرِ حق کو غیظ ایسا تھا
کبھی تلوار کو دیکھا کبھی جبریل کے پر کو

سوا خاکِ شفا کی پھر نہ ہوا کسیر کی خواہش
اگر اسکا اثر معلوم ہو کچھ کیمیاگر کو

شگفتہ دل بنایا ہے کرم سے جن کو خالق نے
مثالِ غنچہ مٹھی میں نہیں رکھتی ہیں وہ زر کو

نبی کی پاس تھا ہر اک پہ کوئی بڑھ سکتا تھا
کیا خیبر رہی نے سر جا کے آخر جنگِ خیبر کو

طلب کرتی نہ کیوں انگوٹھی نادِ علی پڑھکر
کوئی مغلوب کر سکتا تھا رب سے دلاور کو

سرافیل اور میکائیل کی قوت نہ کام آئی
خجل ہوتے تھے دونوں دیکھکر جبریل کے پر کو

اگر رووں غمِ شہ میں تو صحرا رشکِ دریا ہو
اگر آہیں کروں تو خشک کر دوں میں سمندر کو

صفائی دل کو ہے آبادگی میں شرطِ پابندی
لپیٹے ہے کمر سے آئینہ زنجیر جوہر کو

جو فیضِ چشمۂ رحمت کی حیدر کی خبر ہوتی
نہ پھر آبِ بقا کی چاہ کچھ ہوتی سکندر کو

اصیلوں کی طرح جھک کر ہر اک دشمن سے ملتی تھی
دکھاتی تھی علی کی تیغ رنگیں اپنی جوہر کو

فروتن ہو جو سمجھو آسماں کا باعثِ رفعت
فقط جھکنے سے یہ رتبہ ہوا اس نیلی سی چادر کو

بسر کیا چین سی ہو جب کہ دنیا کی یہ حالت ہے — جدا کرنے میں کوشش ہے برادر سے برادر کو

لیا فوجِ خدا کی سمت جسدم باگ کا پوہ دیا — نظر آنے لگا باغِ جناں حُرِّ دلاور کو

ہوئی ہی پنجتن کی نور سے حاصل تجلی یہ — ستاروں کو فلک کو ماہ کو مہرِ منور کو

گلا انکا تو لب انکی سدا تھے چومتی حضرت — نبیؐ جب گود میں لیتے تھے شبیر اور شبر کو

لٹا کر قبر میں اصغر کو مڑ کر شہ نے فرمایا — علی اکبر ذرا بہلائے رکھنا تم برادر کو

انھیں کیواسطے کل آیۂ تطہیر آیا تھا — وہی ہیں سر چھپانے کیلئے محتاج چادر کو

بروزِ حشر ہم سب حضرتِ عابد سی لی لینگے — وہ ایک بیڑی ہی کافی کشتیٔ امت کی لنگر کو

جدا ان پاکِ حسینی کی صفیں کیں درہم و برہم — نہ چھوڑا میمنہ کو میسرہ کو قلبِ لشکر کو

زیارت کو تڑپتا ہی نہایت ہند میں مولا — بس اب بلوائیے روضہ پہ اپنی جلد یاور کو

گلوئے خشک شہ پر گر گئی سہار آب آہن کی — کبھی ساحل ملا ہوگا نہ ایسا موجِ خنجر کو

جو شہ سی پوچھتا تھا باعثِ دردِ جگر کوئی — تو فرماتی تھے کھو بیٹھے برابر کی برادر کو

کلیجہ تھام لیتی تھیں تڑپ کر اشکِ غم پی کر — سکینہ جب پھوپی سی پوچھتی تھی روکے اصغر کو

لسانُ العاقل وراءَ قلبہ وقلبُ الجاہل وراءَ لسانہ

یہی چاہئیے بشر کو جو زبان اپنی کھولے — کہ وہ سوچ لے سمجھ لے تو پھر اسکے بعد بولے

جو سمجھ خدا نے دی ہے تو زبان کر اسکی تابع — وہی عقلمند ہی بس کہ سمجھ سی کام جو لے

ہے زباں گو دہن میں اُسی واسطے ہے تعلق
وہ ہی جاہل اور ناداں جو زباں پہ آئی کہہ دے
نہ کبھو زباں سے اُف بھی جو نہ سود مند دیکھے
کرے غیر جو شماتت یہ ہی دوسری مصیبت
جسے ہو نہ درد اصلا تو پھر اُس سے کچھ کبھی کہوں
ہے زباں کی عقل رہبر تو زباں ہلا سمجھ کر
جو کلام دلنشیں ہو تو نہ کر تو اُس کو اخفا
تری عقل ہو کسوٹی تری عقل ہے ترازو

رہے یہ جو دل کی تابع تو یہ ہو تو تجھکو رو لے
کہ ہے کور اُس سے بہتر کہ چلے نہ بے ٹٹولے
رہے سوز غم میں جلتا کہ جگر میں ہوں پھپھولے
یہ ہے کون عقلمندی کہ خود اپنا راز کھولے
نہ کرے زباں سے شکوہ جو بھر آئے دل تو رو لے
کہ جو راستہ نہ جانے تو کسی کے ساتھ ہو لے
ملے تجھکو تخمِ شہرت تو خوشی سے اُس کو بو لے
تجھے چاہیئے کہ کس لے تجھے چاہیئے کہ تو لے

جو سخن کہ مثل گوہر ترے لب تلک آئے یا در
اُسے رشتۂ بیاں میں تجھے چاہیئے پرو لے

جو سخن ہو مثل گوہر تو ہر ایک ہو گا خواہاں
یہ وہ گوہر ثمیں ہیں کہ نہیں نظیر جن کی
جو کلام پُر اثر ہو وہ ہے غیرتِ جواہر
وہ ہیں چند سنگریزے تو جگر کے ہیں یہ ٹکڑے
وہ ہیں کوہ کی جگر میں تو ہے قلب اِنکا مسکن

یہ جواہر ایسے ہونگے کہ زمانہ ہو گا حیراں
یہ وہ لعل بے بہا ہیں کہ ہیں جانِ لعل رخشاں
کہ مقابلے میں اُنکے نہیں اُنکا کوئی پرساں
نہیں اُنمیں ایسی خوبی جو ہے لطف انمیں پنہاں
وہ زمیں کے نیچے پنہاں تو یہ آسماں پہ درخشاں

در و لعل کی یہ قیمت کہ فقط ہیں بہر زینت
جو کلام دلستاں ہے وہ بہار بے خزاں ہے
ہے فنا کا رنگ اُن میں ہے بقا کا حسن اس میں
وہ ہیں چند دن میں فانی یہ ہے پائدار جاودانی
ہے سپہر کی غم میں کوئی زرد ہو الم سے
ہے ثبات اس سے ظاہر وہ زوال کا ہے مورد
یہ زمانہ سلف کا ہے اک آئینہ جو دیکھو

یہ کلام میں ہے قدرت کہ ہو تسخیر سلطاں
یہ صفت کہاں گلوں میں کہ ہو تیغ آہنی ترساں
وہ ہیں جز تلف ہمیشہ یہ ہزار سال یکساں
نہ ہمیشہ کا ہے صدمہ نہ ہی آفتِ زمستاں
کوئی طرح کشمکش میں نہ کوئی خوف سے لرزاں
یہ بہار گلشن جاں ہے ابد تک یکساں
ہے دل نشاط اس سے وہ جو راز سب تھے پنہاں

کوئی اس کا ہو مقابل نہ کہیں کوئی گوہر تو یا در
ہے کلام میں ہر اک شے جو کھلی ہو چشم عرفاں

تغیرات عالم

ہمیشہ کشت کو کس نے جو ہا نہیں بارور دیکھا / کبھی گھٹتے کبھی چھپتے ہوئے گہ گہ قمر دیکھا
بہت ہیں ایسے جن کا دروزہ گرد در دیکھا / بہت کم ہیں جنہیں با جاہ و حشمت عمر بھر دیکھا
مجھے عبرت ہوئی یہ جو اک دریوزہ گر دیکھا / کہ پہلے تھا کسی عالم میں اسکو تاجور دیکھا
کبھی گھٹتا کبھی بڑھتا یہ ہمنے عمر بھر دیکھا / ہلال و بدر کا سا فرق ہمنے بیشتر دیکھا
کسی کو ہمنے دنیا میں اگر اہلِ نظر دیکھا / نہ اُس کو آنکھ بھر کر دیکھتے پھر سوئے زر دیکھا

نہ دیکھا ایک کو بھی ایک سی حالت پہ ہم نے
نہ دیکھا آب اُسمیں اور پایا داغ دل اُسکو
طبیعت کو ہوئی نفرت انھیں پایا جو ہرجائی
ملی رفعت بھی گر تو چین سے گلشن نہیں دیکھی
ہوائی بجلا ہی سپہر ہی سے سر پر نہ شامکو
الٹ کر سب خواص نے اسی میں کر دیا پیدا
نعیم جاوداں پایا عذاب جاوداں سمجھے
بقا کو بھی ترجیح گر تو نہ دیکھا جائے دنیا
حقیقت میں وہ مشکل لگائی سے شیخ الحکمت
بہت کمیاب ہیں جو ہوگئی ہیں شمع نیکی کا
بھلائی کا بھلا پھل کسنے باغ دہر میں پایا
سموم دہر کی جھونکوں سے بچنا غیر ممکن ہے
تحفظ میں تمول کی ہے ہم نے زیر بار ایسا
ہوا محسوس انساں خیر کا ہر وقت طالب ہو
یہی پایا دو روزہ زندگانی کی تھی سب شکست

طلسمات زمانہ کو بہت کچھ غور کر دیکھا
لگا کر دوربیں بھی برج شمس و قمر دیکھا
کبھی ہم نے پلٹ کر چرخ رو بہ سیم و زر دیکھا
فلک پر ہم نے تارے انکو سیر تا سحر دیکھا
نہ پائیں ٹھوکریں کھاتا ہوا جب اپنی سر دیکھا
محبت کی نظر سے جب کسی نے سوئے زر دیکھا
نگاہ غور سے ہم نے جو سوئے خیر و شر دیکھا
مگر بس ل فنا کا ہم نے اسکو رہگزر دیکھا
غرور کبر سے مملو جو ہم نے کوئی سر دیکھا
نہال زندگانی کو بدی سے بارور دیکھا
جہانمیں نخل احساں کو ہمیشہ بے ثمر دیکھا
ہمیشہ پھولتا پھلتا نہ ہم نے اک شجر دیکھا
خواص دولت دنیا کو مثل حرف جر دیکھا
تعمق کی نظر سے ہم نے جب لفظ بشر دیکھا
بہت کچھ شان دیکھی اور بہت کچھ کر و فر دیکھا

انیس خوش بیاں کا قول ہے یا ور دل پہ کندہ ہے
عروج مہر بھی دیکھا تو ہمنے دوپہر دیکھا

جذب عشق

ترجمہ از کلام لارڈ ٹینیسن صاحب سوم پوئٹ لارڈن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اک جزیرہ گرد جسکے ہیں پہاڑوں کی قطار
کچھ بڑی چھوٹی ہیں کچھ ٹیلوں کی صورت آشکار

سطح سے پانی کی ہوتا ہی کسی جا ہے عیاں
بحر کی آغوش میں یہ ہی نمایاں مرغزار

تنگ نہر کا ہی جسکے گرد صاف آماس ہیں
سبزہ بوٹی کے لیے دلکش جواہر پاس ہیں

اک جزیرہ میں ہے آبادی نہایت خوشنما
چھوٹی چھوٹی گو مکاں ہیں پر بہت ہی دلربا

باغ بھی کثرت سی ہیں سب با صفا دلکشا
آسائش بیں کی جہاں بیں ہیں ہماری جابجا

اس ڈسٹرکٹ کی سہانی لوگ بھی خوش باش ہیں
پاس انکے غم نہیں آتا سدا بشاش ہیں

مندروں میں جا کی کرتی ہیں عبادت صبح شام
اور دن بھر کام سی اپنی انہیں ہے ہی کام

رات بھر آرام سی سوتی ہیں دیکھتے مدام
صبح کو اٹھکر کیا کرتے ہیں گھر کا انتظام

انکو دنیا کی بکھیڑوں سے غرض کچھ بھی نہیں
بیٹھے بٹھلائے کی فکر انکا مرض کچھ بھی نہیں

پیشہ ور کچھ ہیں تو کچھ بستی میں رہتے ہیں کسان
سادگی ہی طبع میں اور سادگی ہی آن بان

راست بازی پر وہ مائل راستی کو انکی شان
کج روی کا نام کو انمیں نہیں ملتا نشان

قوت بازو پہ تکیہ اور خوشی کے خواستگار
فضل خالق پر بھروسہ اور اسی کے خواستگار

ہے سمندر کا کنارہ سیر کا انکے مقام
یہ ٹہلتے وہاں چلی جاتی ہیں اکثر وقت شام

ہے عجب پر لطف کچھ اسکا سماں بے کلام
اسکی موجوں کا وہ گھٹنے اور بڑھنے کا نظام

جب اٹھیں خوش رنگ صدہا سیپیاں بکھرا گئیں
کوڑیاں اپنے خزانہ سے کبھی پہونچا گئیں

ہے پہاڑوں کی شگافوں میں کبھی انکا گذر
زرد بالو سے انھیں بھر کر چلی آئیں ادھر

ہیں درخشندہ ستارے جن میں آجاتے نظر
چاندنی راتوں میں یہ منظر ہے دونا لطف پر

اسکی زردی ایک جا پر صورت زر ہو گئی
دل کو جب دیکھا زمیں چاندی کا بستر ہو گئی

سیپیاں خوش رنگ و خوش اسلوب لا کر ڈالدیا
قعر دریا سے کنارہ پر اٹھا کر ڈالدیا

اپنے مصرف سے جو تھیں زائد تو آ کر ڈالدیا
کھیلنے کو سامنے بچوں کی جا کر ڈالدیں

جھولیاں بھر بھر کے بچے اپنے گھر کو لائے ہیں
خوش ہیں وہ ایسے کہ گویا لعل و گوہر پائے ہیں

کھیلتے ہیں تین بچے اک طرف وہ ریگ پر
ہے اسی کا نام اینی لی حسین خوش سیر

ہفت سالہ اک پری پیکر بھی آتی ہے نظر
اس کا ثانی تو نہیں دنیا میں سچ پوچھو اگر

پیاری پیاری بھولی بھولی شکل شرمائی ہوئی
کیا بھلی لگتی ہے رخ پر زلف خم کھائی ہوئی

بچپنے کی سادگی نے اک قیامت ڈھائی تھی
وہ رسیلی آنکھ نرگس جسکی خود شیدائی تھی

قد وہ بوٹا سا نمو فی ذرا جس میں پائی تھی
عکس عارض سے گلو میں سرخ رنگت آئی تھی

ابروؤں کی دید کی خاطر ہلال آتا رہا
چودھویں کا چاند اسکے رخ سے شرماتا رہا

ساتھ اسکے ہیں جو دو لڑکے حسین و خوش سیر
نام ہے اک کا اناک اور اک فلپ عالی گہر

ایک ہے ملاح کا اور ایک تاجر کا پسر
عمر نو دس سال کی آپس میں ہیں شیر و شکر

وہ حسین یہ طفل دونوں ایک جا کرتے بسر
کھیلتے تھے اور الفت سے سدا کرتے بسر

دونوں لڑکوں میں یہ ہو جاتی تھی اکثر قیل و قال
ہے دلہن چھوٹی سی میری اس کا تم رکھنا خیال

کہتا تھا ملاح کا لڑکا کہ یہ زہرہ جمال
دوسرا کہتا تھا میری ہے دلہن یہ نیک فال

دونوں لڑکے اس طرح اکثر جھگڑتے ہی رہے
فیصلہ ہوتا نہ تھا ہر چند لڑتے ہی رہے

تھا انا کا ان میں قوی تن اور تھا بلند دھان پان
وہ قوی ہیکل بھی تھا اور تھی شجاعت کی بھی شان

عمر میں کم تھا زیادہ تھی مگر کچھ آن بان
اس میں استقلال اور صبر و تحمل کی تھی آن

روز ہوتی تھی لڑائی فیصلہ ہوتا نہ تھا
لڑتے تھے وہ قطع لیکن سلسلہ ہوتا نہ تھا

کہتی تھی وہ تم نہ آپس میں لڑو میرے لیے
دوست صادق ہو تو تم دشمن نہ ہو میرے لیے

یہ جہالت ہے کہ یوں تم جان دو میرے لیے
دور کر دو رنج و غم آپس لگالو میرے لیے

میں دلہن دونوں کی ہوں دونوں کی میں دلدار ہوں
دلربا دونوں کی ہوں دونوں کی میں غمخوار ہوں

پاک الفت اور محبت میں کٹے جب چند سال
شہرۂ آفاق اپنی کا ہوا حسن و جمال

اور پہونچی مرشد کو اپنے یہ تینوں نونہال
چال سے ہونے لگے عشاق کے دل پائمال

حسن کو اس کی جوانی نے دو بالا کر دیا

تلخ شیریں کو کیا لیلیٰ کو کالا کر دیا

چاند سا چہرہ تھا جس نے بدر کو شرما دیا
نوکِ مژگاں نے دلِ عشاق کو برباد دیا
مثل خورشید اور جوشِ حسن نے گرما دیا
لطف نغمہ کا ملا جب منہ سے کچھ فرما دیا

چشم مسکیں کی نظارہ سے ہر اک سرشار تھا
سامنے جو آگیا ناوک جگر کے پار تھا

تھا اشارہ ابروی خمدار کا آؤ ادھر
قسمتیں مانو مرادوں کے ملیں تم کو ثمر
ہے یہ محرابِ درِ امید اے اہل نظر
آرزوئیں جس سے برآئیں یہ قد ہے وہ شجر

زندگی کا لطف اس کی دید سے ملتا رہے
غنچۂ امید اس کے وصل سے کھلتا رہے

یہ پری پیکر جو دیکھو غور سے ایک حور ہے
یہ قدِ موزوں ہے اسکا یا کہ شمع طور ہے
نام کو ہے نار ہی لیکن سراپا نور ہے
موسی عمران کو غش آجائے تو کیا دور ہے

پاس سے پریاں نہ جائیں اسکا سایہ چھوڑ کر
اس کا دم بھرنے لگیں زاہد بھی توبہ توڑ کر

اسکے خواہشمند تھے دنیا کے اکثر نامور
بچپنے سے تھا فدا اس پر اک خوش سیر
چاہتے تھے عقد کرلیں تا بعشرت ہو بسر
اور تھا اس ماہ وش کی بھی وہی مد نظر

غنچۂ اُمید ان دونوں کا آخر کھل گیا
اور ان دونوں کی شادی ہوگئی دل مل گیا

اس دلہن کیواسطے اُسنے خریدا اک مکاں
خانہ داریکا بھی ساماں کچھ مہیا تھا وہاں
عالمِ عشرت کا ان چیزوں سے ملتا تھا نشاں
غم نہ تھا اس مہروش کو تھی ہمیشہ شادماں

اپنے شوہر کی شکایت لب تک آتی ہی نہ تھی
غیر کی ثروت نظر میں کچھ سماتی ہی نہ تھی

کر دیا اللہ نے اولاد سے بھی بہرہ ور
پہلے اک لڑکی ہوئی اور بعد اسکے ایک پسر
چاند کی ٹکڑی تھی یا دونوں کے تھے لختِ جگر
پھر عطا انکو ہوا ایک تیسرا نورِ نظر

تیسرا بچہ نحیف و ناتواں و زار تھا
ماں فدائی جس کی تھی اور باپ بھی غمخوار تھا

بعد شادی کی کٹی اسطرح انپر سات سال
ہوگئے مفلس رہا کچھ بھی نہ انکے پاس مال
کر دیا آخر زبوں انکا پریشانی نے حال
اپنی ناداری کا پھر بڑھنے لگا رنج و ملال

رنج و غم کھاتی تھی اپنی اسکو حیراں دیکھکر
دلدہی کرتی تھی شوہر کو پریشاں دیکھکر

اُسنے ٹھانی دلمیں کرنا چاہیئے مجھکو سفر
تاکہ اطمینان سے دنیا میں ہو جائے بسر

اک جہاز اُسنے بنایا کشتیاں سب بیچکر
اور تجارت کا بھی کچھ ساماں ہوا مدنظر

باندھلی آخر کمر اُس نے جدائی کے لیے
ہوگیا تیار قسمت آزمائی کے لیے

فکر روزی دیکھیے کرتی ہی کس کس سی جدا
گھر بھی چھوٹا اور وطن بھی اور ساری اقربا
دوست چھوڑے بچپنے سی جن کا ہردم ساتھ تھا
چھٹ گئی لخت جگر اور ماہ طلعت دلربا

ایکدم کو جن کا ہٹ جانا گوارا ہی نہ تھا
خود تڑپتا چھوڑ جائے اور چارہ ہی نہ تھا

روح کو بالیدگی ہوتی تھی جن کو دیکھکر
چھٹ گئی اور قلب کی تسکیں تھی اُنکو دیکھکر
دل کو دیگا اب تسلی آہ کنکو دیکھکر
شام فرقت کا تصور ہوگا دن کو دیکھکر

چھوٹ کر پیارونسے اپنے کیا بھلا چین آئیگا
عالم غربت میں اب کس طرح دل بہلائیگا

ہوگئی ایسی دم رخصت نہایت بیقرار
عارض تاباں پہ اشکونکی بندھی تھی اک قطار
دوش پر شوہر کی سر تھا رنج وغم سے ہمکنار
چشمہائی نرگسی سی تھے رواں دو جوئبار

شکل راحت اب نظر ایکدم کو آتی ہی نہ تھی
دلپہ قابو وہ کسی صورت سی پاتی ہی نہ تھی

دیکھتی تھی اپنے بچوں کو وہ رو کر بار بار
کسطرح پالونگی انکو اے میرے پروردگار
دل میں کہتی تھی کہ ہوگا کون انکا غمگسار
کون ہمدردی کریگا کس کی ہونگی شرمسار

کیا کرونگی میں شریک حال کس کو پاؤنگی
کس طرف ان بیکسوں کو آہ لیکر جاؤنگی

یہ مرے معصوم بچے ہیں نہایت خوردسال
پاس مجھ کمبخت کے زر ہے نہ دولت ہے نہ مال
باپ ماں کی ہیں ابھی محتاج میرے نونہال
کیوں نہ شوہر کی جدائی سے ہو میرا غیر حال

چاہیئے آمادہ ہو جاؤں فقیری کے لیے
کون اُٹھے گا جہاں میں دستگیری کے لیے

اُس کو شوہر کی جدائی ایک مصیبت ہو گئی
ایک سکتا سا ہوا پتھر کی صورت ہو گئی
مُردنی چہرے پہ چھائی غیر حالت ہو گئی
غم کی صورت بن گئی تصویر حیرت ہو گئی

اب یہ بچنے کی نہیں سب کو گماں ہونے لگے
موت کے آثار چہرے سے عیاں ہونے لگے

بحر غم میں ڈوب کر شوہر رواں سوئے جہاز
تھا سمندر میں الم کی اُس طرف وہ پاکباز
ماہیِ بے آب کی صورت تپاں یہ سرو ناز
اس طرف خشکی پہ مرگ و زیست میں راز و نیاز

پھنس گیا تھا اسطرف وہ ورطۂ افکار میں

ناؤ اس کی رہ گئی ہے ناخدا منجدھار میں

تھے غم و ہم کے تلاطم میں یہ دونوں مبتلا
اور دریائے تفکر میں تھا دل ڈوبا ہوا

ورطۂ افکار پر ان کا نہ کچھ قابو چلا
آگیا گرداب کی پھندی میں دونوں کا گلا

موت گویا نہیں صورت مگر دکھلا گئی
کشتی عمر رواں چکر میں آخر آگئی

بادباں کھولے گئے اور اٹھ گیا لنگر ادھر
اور کشتی بھی جدائی کی بچی وقت سحر

رہ گئی ساحل پہ دل کو تھام کر یہ نوحہ گر
دل ہوا قابو سے باہر جاں چلی تن چھوڑ کر

دم کا گھٹنا تھا قفس تھا قید کا آغاز تھا
طائر روح رواں بھی مائل پرواز تھا

کھڑکی باندھے سوئے دریا کھڑی تھی یہ وہاں
ہے لب جو سرو استادہ یہ ہوتا تھا گماں

یا سمندر سے قد آدم تھا اک شعلہ عیاں
شمع بزم حسن تھی یا اشک ریزاں و زرفشاں

اک پری یا چھوڑ کر نکلی تھی کوہستان کو
حسن کی دیوی اتر آئی تھی یا استھان کو

پھر پابوسی کو بڑھی آتی تھیں موجیں بار بار
چومے لیتی ہیں قدم لہروں سے تھا یہ شک سا

ہر دم آبی اٹھے پوجی کی بس کر کے پکار
شور تھا دریا کا ناقوس برہمن کی پکار

سیپیاں تو رونمائی کو گھر لانے لگیں
مچھلیاں درشن کو ابھریں اور قریب آنے لگیں

لعل لب کے سامنے مچھلی جو کوئی آگئی
سرخ رنگت ہوگئی جوڑا شہانہ پاگئی

عکس عنابی لبوں کا پڑ گیا اترا گئی
نسل میں اسکی سراسر سرخ رنگت چھا گئی

آب دریا کو اسی سے برتری ہونے لگی
فیض رخ سے شاخ مرجاں بھی ہری ہونے لگی

آب کو اسکے رخ زیبا سے جنت ملگئی
سلک گوہر عکس دنداں کی بدولت ملگئی

تھا نمک جو حسن میں اس سے ملاحت ملگئی
موتیوں کو آبداری و لطافت مل گئی

روئے روشن سے فلک پر مہر شرمانے لگا
عکس رخ سے ماہ دریا میں نظر آنے لگا

تھی لب ساحل کھڑی اس سمت نیرہ جمال
سر بزانو فکر میں تھا غیرت ماہ پرملال

فرط غم سے اسطرف شوہر تھا کشتی پر نڈھال
آہ لب پر چشم پرنم قلب مضطر غیر حال

دل تھا مضطر دیکھتا جاتا تھا ساحل کیطرف
آنکھ ساحل کیطرف تھی اور نظر دل کیطرف

اسطرف یہ حور وش تھی ساکت و مست کھڑی
بے خبر ہر شئے سے تھی اور آنکھ کشتی سے لڑی

پاس و حسرت کی تھی یورش اور مصیبت تھی بڑی ۔ روح و تن کی جسطرح سے ہو جدائی کی گھڑی

سب جہاں اُس کو سنا سا نظر آنے لگا
صبح فرقت کا سماں ہر رخ اُسکو دکھلانے لگا

بادل رنجور لیٹی اپنے گھر کو سوگوار ۔ انگلیاں دو طفل بچڑی کو دیں اک شیر خوار
پھوپھی اپنے تکیۂ احزاں میں با صد اضطرار ۔ رنج میں روتی ہوئی تھی دل گرفتہ بیقرار

جسطرح ممکن ہوا آخر گذر کرنے لگی
عالم عسرت میں وہ اپنی بسر کرنے لگی

گود کا بچہ تھا پہلے ہی سے زار و ناتواں ۔ طول کھینچا اُسکی بیماری نے اور گھبرائی ماں
جاں بحق تسلیم آخر ہو گیا وہ نیم جاں ۔ رہ گئی اپنا کلیجہ تھام کر گریہ کناں

چرخ کجرفتار نے سینہ کو غم سے بھر دیا
داغ دل نے اس پریشانی کو دونا کر دیا

پاس اس کے ایکدن آیا فلپ عالی تبار ۔ حال ہمدردی سے جب پوچھا ہوئی یہ اشکبار
بیقراری بڑھ گئی پایا جو اپنا غمگسار ۔ تھی یہ گریہ در گلو اور رو رہی تھی زار زار

نطق پر قابو نہ تھا خاموش رہ سکتی نہ تھی
پڑ گیا تھا قفل منہ میں کچھ وہ کہہ سکتی نہ تھی

دی فلپ نے اُسکو تسکین اور سمجھانی لگا
حال بیان سبکو سنکے رنج و غم کھانے لگا

بے خبر اب تک رہا کیوں اس سے شرمانی لگا
ضبط مشکل تھا کلیجہ موںہہ کو جب آنی لگا

پی کے آنسو کھا کے غم اپنی کو سمجھاتا رہا
دونوں بچونکو بٹھا کر پاس بہلاتا رہا

پھر کہا اپنی سے یوں اُس نے بعجز و انکسار
گھر میری چل کر رہو میں ہوں تمھارا غمگسار

آہ کب تک یوں رہو گی رنج و غم سے ہمکنار
مورد افکار کیوں ہو خوش رہو لیل و نہار

دونوں بچونکو میں سمجھونگا مرے دلبند ہیں
آج سے میرے یہ دونوں دختر و فرزند ہیں

سنکے یہ اپنی کو غیرت سے پسینہ آگیا
اس تغیر سے فلپ بے انتہا گھبرا گیا

سرخ رنگت ہو گئی چہرے پہ غصہ چھا گیا
اپنی ہمدردی کو ظاہر کر کے وہ شرما گیا

اور کہا للہ دل میں دھیان کچھ لاؤ نہ تم
بدگمانی کے سبب سے رنج و غم کھاؤ نہ تم

دوست ہے میرا اک خوش نہاد و خوش سیر
آئیگا ایک روز آخر ختم کر کے یہہ سفر

وہ تمھارا شوہر عالی نسب والا گہر
اُس سے لے لونگا جو ہوگا صرف یہ مال و زر

صرف تم جو کچھ کروگی یہہ سمجھ لو قرض ہے

دستگیری دوست کی بچوں کی میرا فرض ہے

دونوں بچے لائق تعلیم ہیں ای خوش سیر
گر ہوئی غفلت تو پچھتانا پڑیگا عمر بھر
اب یہی سن ہے سکھانا چاہیے علم و ہنر
فکر انکی چاہیے ہے اب ہمیں شام و سحر

لائق نہیں نام انکا ہو یہی مقصود ہے
انکی خدمت کے لیے نا چیز تو موجود ہے

نامناسب ہے اگر جانا ہو تم اپنے گھر
انکو اپنے پاس میں رکھوں اجازت دو اگر
ہاں مگر بچے یہ دونوں ہیں مری لخت جگر
یہ کسی صورت سے لایق ہوں یہی ہے مد نظر

سر جھکا کر شرم سے اس نے کہا مختار ہو
اب یقیں آیا کہ تم بیشک میرے غمخوار ہو

لے گیا بچوں کو ساتھ اپنے فلیب عالی تبار
ان کو بے دیکھے اسے آتا نہ تھا اکدم قرار
ہو گیا ان بیکسوں کا جان و دل سے غمگسار
فکر میں تعلیم کی ان کے رہا لیل و نہار

اُنسے غافل ایک لحظہ بھی یہ رہ سکتا نہ تھا
اُسکے بچے وہ نہیں یہہ کوئی کہہ سکتا نہ تھا

اُسکی شفقت دیکھکر سمجھے یہہ دونوں خوش خصال
باپ ہی کہکر کیا کرتے تھے یہہ اُس سے سوال
ہے وہی انکا پدر اور ہیں یہہ اسکے نونہال
باپ بھی وہ جسکو بچوں سے محبت ہو کمال

چھوڑ کر تنہا کبھی اس کو نہیں جاتے تھے وہ
کوئی دم کو پاس اپنی ماں کی ہو آتے تھے وہ

گھر کے دھندے سے فراغت پا کے اپنی بیقرار
آتی تھی دریا پہ یوں جیسے کوئی امیدوار
دل فگار و دل گرفتہ اشک ریز و اشکبار
بیٹھ کر ساحل پہ وہ رہتی تھی محو انتظار

دوربیں ایکسی ہوئی شوہر کی بھی بہار تھی
دل میں یاد آنکھوں میں اشک غم لبوں پر آہ تھی

دیکھتی جاتی تھی دریا کیطرف وہ مہ جبیں
تا نظر آجائے کشتی اسکے شوہر کی کہیں
پھر پلٹ آتی تھی گھر پر ہو کے مایوس و حزیں
آنکھ میں آنسو لبوں پر آہ دل اندوہگیں

کلبۂ احزاں میں اپنے آ کے پھر رہتی تھی وہ
یاس اور امید کی روز آفتیں سہتی تھی وہ

دونوں بچوں نے یہ آ کر ایکدن اس سے کہا
سیر جنگل کی کرینگے آپ بھی چلئے ذرا
سہ پہر کا وقت ہے صحرا ہے اور ٹھنڈی ہوا
وہ اٹھی چلنے کو اتنے میں فلپ بھی آ گیا

ساتھ اپنے اُس کو بھی اصرار کر کے لیچلے
کام تھے ہر چند پر ناچار کر کے لیچلے

کھیلنے میں ہو گئے مشغول دونوں خوردسال
اور اینی و فلپ کرتے تھے انکی دیکھ بھال

اپنے بچپن کا اُنھیں بھی یک بیک آیا خیال
پہلے اپنی نے کیا ساتھی سے اپنے یوں سوال

ہم بھی یوں ہی کھیلتے تھے یاد ہے کیا دن تھے وہ
کیسی بےفکری تھی حاصل کیوں فلپ کیا سن تھے وہ

کھیلتے تھے ساتھ ہم تم اور اناک آٹھوں پہر
اس پہ کیا گذری خدا ہی کو ہے بس اسکی خبر
ایک جا رہتے تھے ہم تینوں سدا شام و سحر
کسطرح وہ کر رہا ہوگا خدا جانے بسر

بھول جاوے وہ ہمیں یا وہ رہے آ سکتا نہیں
خود بھی آ سکتا نہیں ہم کو بلا سکتا نہیں

سن کے یہ اُس سے فلپ نے تب کہا اے نیک ذات
اُس سے ملنے کی نہیں اُمید کچھ اے خوش صفات
تم بُرا مانو نہ گر تو میں کہونگا ایک بات
اُس سے خالی ہو چکا ہے یہ جہانِ بے ثبات

دس برس گزرے نہیں آیا نظر اُس کا جہاز
اب کہاں وہ اس جہاں میں اور کدھر اُس کا جہاز

تم یقیں جانو کہ ڈوبا وہ وگرنہ میری جاں
میں نے چاہا لاکھ ملجائے کہیں اُسکا نشاں
ساتھ والوں میں پلٹ کر کوئی تو آتا یہاں
پر نہ کچھ اس کا پتہ ہے اور نہ ملنے کا گماں

زندگی برباد کیوں کرتی ہو اُس کے واسطے
جو نہ دنیا میں ہو کیوں مرتی ہو اُس کے واسطے

غرقِ دریائے تفکر ہو کے بولی وہ حسین
میں تو ناواقف تھی اب تک اس سے تم جانو یقیں

لوگ امیدیں دلاتے تھے کہ تسکیں ہو کہیں
میرا جینا تھا اسی امید پر اے ہمنشیں

زندگی دوبھر ہے اب تو اے خدا آجائے موت
زندگی ہو جائے مجھ کم بخت کی گر آئے موت

کسطرح تنہائی میں ہوگی خداوندا بسر
کون ہمدردی کریگا آہ میری عمر بھر

مضطرب ہو کر خلیل نے کہدیا قدمونپہ سر
ای میری پیاری ہراساں ہوتی ہے کیوں اسقدر

شکر خالق کا کہ مال و دولت و زر پاس ہے
مجھکو اپنی جان سے تم سب کا بڑھکر پاس ہے

دولت و فرزند دختر بھی خدائی کی عطا
دونوں ہیں بچے تمہارے میرے ہی ای دلربا

جانتے ہیں مجھکو اپنا ہی پدر یہ مہ لقا
باپ کہتے ہیں مجھے اور میں بھی ان پر ہوں فدا

ہر طرح امداد کرنے کے لئے تیار ہوں
تم نہیں منظور کرتیں اس لیے ناچار ہوں

خوف تمکو بھی ہے اور مجھکو بھی اسکا ہے خیال
بدگمانی دوسروں کو ہو تو ہے مشکل کمال

پر تمہارے ہاتھ میں تدبیر ہے ای خوش جمال
وعدہ طفلی کر دو پورا نہیں کچھ بھی محال

تم دلہن بنجاؤ میری تم پہ میں قربان ہوں

مبتلائی عشق بچپن ہی سے میں ای جان ہوں

میں نے شادی کی نہ اس امید پر ای مہ لقا
میرے دعوی کا ثبت طناز شاہد ہے خدا

تو میری ہو کر رہیگی ایک دن ای دلربا
تیری ہی الفت میں گذری رات دن صبح و مسا

کہہ نہیں سکتا محبت کیسی میرے دل میں ہے
ہاں یہہ کہہ سکتا ہوں اب خنجر کف قاتل میں ہے

نازنیں کے ہاتھ دونوں ہاتھ میں آنکھیں پر آب
تھا کبھی یہہ خوف کیا دیتی ہے وہ اسکا جواب

تک رہا تھا اسکے چہرے کو بحال اضطراب
اور اچھلتا تھا کبھی ہاتھوں دل خانہ خراب

لب تک اپنے حرف مطلب یوں کبھی لایا نہ تھا
زندگی بھر ایسا موقع ہاتھ ہی آیا نہ تھا

سر نگوں ہو کر کہا اس نے کہ ای عالی گہر
سال بھر بولا فلاسپ تجھ سے کہی ای خوش سیر

منتظر اسکی رہونگی اور بھی میں سال بھر
سنکے یہہ پھر اس نے کھینچی ایک آہ پر اثر

اور کہا میں بندۂ احسان تمہاری ہوں ضرور
اور مناسب ہے تمہاری بات بھی مانوں ضرور

رحمت حق کی فرشتے آپ ہیں میرے لیے
میرے بچے آپ کی لطف و عنایت سے جیے

میں نہ بھولونگی جو احسان آپنے مجھ پر کیے
اس سے واقف ہوں جو رتبے آپکو حق نے دیے

حق تعالیٰ دے جزائے خیر اس کی آپ کو
واہ ری شفقت کہ بچے بھول جائیں باپ کو

پر ذرا سوچو تو اپنے دل میں تم اے مہرباں
دوسرا دل بھی میرے پہلو میں کیا ہوگا نہاں

ایک دل تھا دے چکی یک شخص کو یہ نیم جاں
ہاں مری اُلفت کا تم کرتی ہو شاید امتحاں

بھول جاؤں میں ابھی یہ دلنشیں ہوگا تمہیں
میری اُلفت کا بھلا کیونکر یقیں ہوگا تمہیں

آب دیدہ ہو کے تب بولا قلب عالی تبار
ایک ٹھگ ہو تمکو آیا وہ نہ پلٹا اے نگار

جیتے جی چھوڑوں ابھی منشا نہیں یہ نیہار
تم بھلا کب تک کروگی اور اُس کا انتظار

قید زلفوں میں تری میرا دلِ رنجور ہے
اور بھی اک سال دیکھو راہ گر منظور ہے

عمر گذری ہے تری اُمید میں اے مہ لقا
دے چکا ہوں دل تجھے بچپن سے میں اے دلربا

ہو گیا مایوس تو بچنا نہیں ممکن مرا
مان لے اسکو کہ میں ہوں قیدیٔ الفت ترا

غم سے چھٹکارہ نہیں گر تو نہ پہونچے داد کو
کاٹ لونگا اور بھی اک سال کی میعاد کو

ایک بیک پھر چونک کر یوں ماہ پیکر نے کہا
شام ہوتی ہے چلو گھر وقت ہے اب جھٹ پٹا

سال بھر میں غور کر لونگی تمھارا مدعا | دونوں بچوں کو بلایا آئے دونوں مہ لقا

چھوڑ کر اپنی کو اُس سے گھر فلپ رخصت ہوا
ساتھ بچوں کو لیا اور محو کیفیت ہوا

جب کہ موسم پر کٹا موسم فلپ یاد اس | اور دلایا یاد اُس کو عہد تھا جو درمیاں
ہو گیا سال جب پوچھا فلپ لاکہ اس | فصل کٹ جائے تو کچھ شک نہیں رہی جا بجا

کر دیا آسان اس مشکل کو تیری چاہ نے
ایک مہینہ بعد پھر آنا کہا اُس ماہ نے

چھ مہینے اور ٹالے اس طرح اُس حور نے | کچھ خبر آکر نہ دی اُس کو قریب و دور نے
ہو گئی یاس اور کہا دل سی یہ اُس مہجور نے | سختیاں میرے لئے جھیلیں فلپ مجبور نے

عہد کا ایفا بھی ہو کچھ تو مروت چاہیئے
بچپنے سے ہی وہ شیدا پاس الفت چاہیئے

لیکے میبل ہاتھ میں اک شب بصد رنج و محن | اور بصد الحاح وزاری یوں کہا اے ذوالمنن
عالم اسرار ہی تو سہل کر دے یہہ کٹھن | ہے کہاں شوہر مرا زندہ ہی یا زیر کفن

اپنی بستر پر دعا یہہ کرتے کرتے سو گئی
سو گئی یا فکر کے وادی میں جا کر کھو گئی

چٹکیوں سی بس دلِ نازک کو ملتا تھا کوئی

جا کے تنہائی میں رو آتی تھی اکثر زار زار ٹالتی تھی گو مگر آتا نہ تھا دل کو قرار
اُس کا غم مخفی رہے یہ چاہتی تھی بار بار اپنی حالت کی فقط وہ آپ ہی تھی رازدار
دوسروں کو وہ شریکِ رنج و غم کرتی نہ تھی
دل پھنکا کرتا تھا آہِ سرد بھی بھرتی نہ تھی

یاد آیا بعد مدت کے اُسے اک دلِ حزیں اُس پہ کیا گذری ذرا دیکھو تو چلکر ہمنشیں
ناکامیابی سے سفر کرتا رہا وہ بالیقیں وہ ہے اور بے آب لجّی کا تموجِ خشمگیں
ڈوب کر آفت کی موجوں سے نکلتا تھا جہاز
کروٹیں لیتا ہوا دریا میں چلتا تھا جہاز

ہوگئی طے کامیابی سے وہ راہِ پُرخطر وہ تلاطم اور وہ طوفان وہ موجیں وہ بھنور
موت کا وہ خوف ہر دم غرق ہو جانیکا ڈر جان میں جان آگئی لنگر ہوا اک شہر پر
اُس نے کچھ بیع و شریٰ میں سیم و زر پیدا کیا
مال پھر ہر قسم کا بہرِ سفر پیدا کیا

زوجہ و اطفال کا بھی تھا اُسے ویسا خیال انکی خاطر بھی لیا ہر طرح کا پھر اُس نے مال
پھر جہاز آگے بڑھا خوش بہت وہ نیک فال جا بجا پھرتا جزیروں میں چلا وہ خوش مآل

اُون کر اکثر پرندوں کی تجارت اُس نے کی
لینے دینے میں بہت پیدا مہارت اُس نے کی

موسم گرما میں دریا کا سفر کرتا رہا - مال کچھ دیتا رہا اور کچھ نیا بھرتا رہا
خوف سے طوفان کی دل میں سدا ڈرتا رہا وہ اُمید و بیم میں جیتا رہا مرتا رہا

گھر کے جانب رُخ کیا تھا پھنس گیا طوفان میں
ہو گئی دولت وہ دریا بُرد سب اک آن میں

ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آخر کو وہ سارا جہاز ساتھ دو شخصوں کے ایک تختہ پہ تھا یہ [illegible]
رات بھر بہتا رہا دل سوز و غم سے تھا گداز صبح تک طے کی اسی صورت سے اک راہ دراز

ایک جزیرہ سے لگا تختہ تو کچھ تسکیں ہوئی
کچھ اُمید زیست پھر خاطر غمگیں ہوئی

وہ جزیرہ تھا تو پُر دولت مگر سنسان تھا اور سمندر کا سناٹا وہاں ہر آن تھا
لاکھ ڈھونڈا نام کو بھی تو نہ اک انسان تھا آب شیریں کی تھی نہر حق یہ احسان تھا

خوان نعمت سے زیادہ پُر ثمر اشجار تھے
آبیاری کیلئے ہر سمت رواں انہار تھے

تاڑ کی پتوں سے تنکوں سے بنائی جھونپڑی سر چھپا لیتے تھے جب دم دھوپ پڑتی تھی کڑی

پیٹ بھرنے کو تھے پھل پاتی کبھی بوٹی جڑی
دونوں ساتھی چل بسے جب تو ہوئی آفت بڑی

رہ گیا وہ بے وطن در یادِ یارانِ وطن
پھرتی تھی آنکھوں میں اسکی رات دن شانِ وطن

مختلف الوان کو وہاں اڑتی پھرتی تھی پرند
ہو کا عالم تھا درندے بھی وہاں تھے ہر گز نہ
مختلف اشکال کے ہر سمت پھرتی تھی چرند
اور انھیں میں کاٹتا تھا رات دن وہ ہوشمند

دن مہینہ سال گرمی اور جاڑا کٹ گیا
تھا قوی ہیکل مگر تھوڑے سے دنوں میں لٹ گیا

وہ لبِ ساحل سدا تھا رنج و غم سے ہمکنار
شاید آ نکلے جہاز اس سمت دلکو ہو قرار
بخت خفتہ جاگ اٹھے شاید یہی تھا انتظار
بیکسی کی موت سے بچ جائے اور ہو دل استوار

شومیٔ تقدیر سے ہر چند اس کو یاس تھی
پھر بھی کچھ امید تھی امید سے کچھ آس تھی

اک کنارے پر یہ تھا اور ایک پر وہ سیمبر
دونوں جانب چشمِ عبرت سے وہ کرتا تھا نظر
تھا جو مابین ان جزائر کے سمندر پر خطر
اک نگہ عاشق پہ تھی اور اک نگہ معشوق پر

منتظر یہ بھی تھا اور وہ بھی جہاز آنے کی تھی
گو کہ یہ تدبیر ساری دل کے بہلانے کی تھی

اس طرح پر جب گزرتا ہی گیا ہر ایکسال
لب پہ تھی آہ و فغاں دل میں غم اہل و عیال
ہو گیا وحشی صفت آخر ناک خوش خصال
رنج و غم کی شدتیں کرتی تھیں اسکو پائمال

دیدۂ تر خشک تھے اتنا رولایا تھا اُسے
شغل بیکاری نے دیوانہ بنایا تھا اُسے

سبز پتے کھاتے سبز رنگت ہو گئی
ستر پوشی کو نہ کپڑا تھا یہہ حالت ہو گئی
آدمیت سے گیا گزرا یہہ صورت ہو گئی
وحشیوں میں رہتے رہتے اسکو وحشت ہو گئی

یاد جب اہل وطن کی یا وطن کی آ گئی
خواب غفلت سے ذرا آ کر اُسے چونکا گئی

بعد بارہ سال کے ایکدن بصد عجز و نیاز
ہو گئی مقبول وہ دیکھو تو شان چارہ ساز
گڑگڑا کر وہ دعا کرنے لگا بعد نماز
آب شیریں کی تفحص میں وہاں تھا اک جہاز

دور سے کپتان کی امید بر آنے لگی
جبکہ چوٹی ان پہاڑوں کی نظر آنے لگی

دور سے اُس نے دیکھا گر رہی ہے آبشار
دامن کہسار میں سرسبز جس سے مرغزار
صاف اور شفاف موتی سا وہ آب خوشگوار
عندلیبوں کے لیے گلہائے رنگیں بیشمار

خوش ہوا یہہ دیکھکر کپتان پلٹا یا جہاز

چاہ میں پانی کی فوراً اسطرف لایا جہاز

بیٹھکر کشتی میں اترا ایک خلاصی وہاں
جبکہ ساحل سے جزیرہ میں چلا وہ ناگہاں

تاکہ بھر لے اپنی مشکیزہ میں وہ آبِ رواں
آگیا اُس کو نظر وہ نیم وحشی نیم جاں

لمبی داڑھی بال سر کے تا کمر آئے ہوئے
رنگ بھورا زرد ناخن ہونٹ مرجھائے ہوئے

سر سے پا تک ایک کپڑا بھی نہیں کیسا لباس
شکل سے اُسکی نہ سمجھا آدمی وہ بدحواس

دیکھکر اُس کو ڈرا وہ اور ہوا بیحد ہراس
اور جو سمجھا بھی تو بن مانس کیا اُسکو قیاس

لیکن اُس نے اُسکو باتیں کرکے حیراں کردیا
اور اُمیدِ مخلصی نے دلکو شاداں کردیا

وہ برہنہ تھا تو خلاصی سے شرمایا کیا
شکرِ خالق کا کیا اور تھنکس کہکرے لیا

ستر پوشی کیلیے پھر اُسنے کچھ کپڑا دیا
پھر پھر اُسکو نمیں پانی اور دونوں نے پیا

آبِ شیریں لیکے پہونچے سب کو حیرت ہوگئی
اک تماشہ اُن سبھونکو اُس کی صورت ہوگئی

رحم کھاکر سب نے اُسکے حال پر جب کی نظر
سب نکلے نا یحتاج سے بھی کردیا پھر بہرہ ور

ابتدا سے اُسنے حال اپنا کہا المختصر
بکرایہ ساتھ ان سب کی لگا کرنے سفر

ہرکدم نے بہر صورت بہت امداد کی
اپنے امکاں بھر ہر اک نے خاطر ناشاد کی

تھا جو دریا میں سکوں اور کچھ ہوا میں اعتدال
سیہ مسافر ہر گھڑی تھا غرق دریائی خیال
تھا سلامت رو جہاز اور بخیر تھی اسکی چال
ہو گیا اسکو وطن کی دھن میں وہ بستہ بال

رات دن بچوں کی اُس کے سامنے تصویر تھی
دل کے آئینہ میں اپنی کی سدا تصویر تھی

کہتا تھا بچے بڑے ہو کر ہوے ہونگے جوان
میری اپنی تو نہ بھولی ہوگی مجھکو کمال
اک قرن گذرا نہ ہوگا یاد بھی بیہم جال
روز و شب فرقت میں کرتی ہوگی وہ آہ و فغاں

بدگمانی انکی جانب ہو تو بیجا ہے
زندگی کا پر مری اُسکو یقیں دشوار ہے

گاہ کہتا تھا گر زندہ بھی وہ ہونگی ای خدا
کسطرح جینا ہی ممکن کچھ سہارا ہی نہ تھا
پاس دولت تھی نہ ثروت کیا ہو گا بھلا
دستگیری کون کرتا انکی اور لطف و عطا

کون ہو ہمدرد ناداری کا گر آزار ہو
کون اُسکا چارہ گر ہو جو سدا بیمار ہو

چل بسی ہونگے جہاں سے میرے سب اہل و عیال
اب کہاں میں اور کہاں وہ خلم ہے یہ سراسر خیال

ایک تو تھا شیر خوار اور دوسری تھی خورد سال ۔ پرورش کرتی بھلا کس طرح اپنی خستہ حال

کوئی بھی جسکا خبرگیر و معاون ہی نہیں
آجتک زندہ رہی ہوں وہ یہہ ممکن ہی نہیں

پھر یہہ کہتا تھا وہ کرتی ہوں گر اہل وطن ۔ اور آئندہ بھی پہنچاتا رہا ہو زود امن
کیا عجب زندہ ہوں وہ لب تک ہوا انکا کفن ۔ اس امید و بیم میں رہتا تھا پھر مثل غمزدہ زن

ساتھیوں کی کچھ تسلی کارگر ہوتی نہ تھی
جمع ہوتی گرد پر اُسکو خبر ہوتی نہ تھی

ساحل انگلینڈ پر پہونچا وہ آخر کو جہاز ۔ صبح کا تارہ عیاں تھا اور تھا وقت نماز
اُسکی ہمدردی ہوئی وہاں بھی بحکم کارساز ۔ لیکے معتمد پہ رقم رخصت ہوا وہ پاکباز

جس وطن سے ہو چکی تھی یاس اُسکو پا گیا
منزل مقصود پر اپنی وہ آخر آگیا

ساتھیوں سے ملکے پھر راہی ہوا وہ نیم جان ۔ ڈھونڈھتا تھا اک مکاں کسکا مکاں اپنا مکاں
آکے دیکھا اُس محلہ میں عجب اُس نے سماں ۔ گھر جہاں تھا ڈھیر مٹی کا نظر آیا وہاں

ہو گئی تھی شام جا بیٹھا وہ اُس انبار پر
پھٹ پڑا تھا آسماں اُس بیکس و ناچار پر

یہہ وہی جا تھی جہاں گزری تو اُسکو سات سال
راحیلہ کو دیتے تھے حق نے بچے خوش جمال

غم جدائی کا نہ تھا ہر وقت تھا تھا نہال
کٹتی تھی پُر لطف اُسکی زندگی خوش تھا کمال

بچے بالے کھیلتے رہتے تھے گھر آباد تھا
سب پہلو میں بی بی تھی ہمیشہ شاد تھا

یہہ وہی جا ہے کہ سناٹا ہے اور سنسان ہے
اب نہ بی بی ہے نہ بچے ہیں بہت حیران ہے

تھی نہ آبادی کبھی اسطرح جیسے ویران ہے
رنج و غم کا سامنا اور ایک اُسکی جان ہے

ایک چشمہ تھا وہیں ایک دوست رہتا تھا جہاں
دلمیں سوچا جا کے پوچھوں تو کہ اب وہ ہے کہاں

وہاں گیا پوچھا ہوا معلوم وہ تو چل بسا
وہ بھی اُسکو جانتی تھی یہہ بھی اُسکو جانتا

مریم اُسکی زوجہ تھی موجود اُسی سے یہہ ملا
اُسکی حالت دیکھکر اُسنے نہ پہچانا ذرا

بال تھے اُسکے سپید اور خم کمر میں آگیا
ہوگیا تھا زرد چہرہ غم سے تھا گھلا گیا

مصلحت سے اُسنے بھی اس سے نہ کچھ مطلق کہا
باتوں باتوں میں ہوا دریافت اُسے اور غم سہا

اجنبی کیطرح سے دو تین دن مہماں رہا
اُسکے گھر کا حال وہ کہنے لگی آنسو بہا

اُسکے بچوں پر غضب کی دلنوازی تھی کہیں

اور اپنی کی سب اُسنے یاکبارہی بھی کہی

اپنے شوہر کیلئے ہونا وہ اُس کا بیقرار
وہ غمِ فرقت میں رہنا خستہ حال و سوگوار
اُسکا وہ برسوں تڑپنا اور اُسکا انتظار
چھوٹے بچے کا وہ مرنا اور رونا زار زار

عقد کا پیغام دینا وہ فلپ کا کہدیا
جسکے سے شادی کا پھر دونوں کے ہونا کہدیا

سنکے یہ ساری کہانی ہوگیا مبہوت سا
دلمیں آیا دیکھ لوں میں اک نظر چلکر ذرا
سلب قوت ہوگئی پیغام آیا موت کا
راز سربستہ رکھونگا اپنا سارا ماجرا

ٹھان کر یہ وہ فلپ کے گھر روانہ ہوگیا
پہلے کیا ساماں تھا اب کیا زمانہ ہوگیا

متصل تھا اک درخت اُسپر چڑھا یہ خستہ جاں
اسکی اینی ہو چکی تھی اور اک بچی کی ماں
بیٹھا پوشیدہ وہاں پتوں پہ ستایا نہاں
گود میں اسکو لئے کرسی پہ تھی جلوہ کناں

دیکھا بچی کو کیا پیار اُس بتِ مغرور نے
پیار کرکے دیدیا اک نرس کو اُس حور نے

اپنی بچوں پر بھی ناگہ پڑگئی اُس کی نظر
یاد آیا بس شباب اینی کا اسکو دیکھکر
اُسکی دختر ماں کی صورت تھی بعینہ سر بسر
تھی وہ ایک تصویر اینی کی جوانی کی مگر

دیکھا پھر فرزند کو خوش رو ہے خوش تقریر ہے
لوگ کہتے تھے اناک آرڈن کی یہ تصویر ہے

آیا اتنے میں فلپ بیٹھا وہ اینی کے قریب ‏ پیار اور اخلاص کی کرتی تھی باتیں وہ حبیب
گرم جوشی سے دبایا اس نے دست نازنیں ‏ باغ میں ٹہلا کیے پھر اٹھ کے دونوں ہمنشیں

دیکھ کر یہ رنگ بس غیرت سے وہ کٹنے لگا
آگیا موہنہ کو کلیجہ غم سے دل پھٹنے لگا

حزن و غم سے پھر کہا اسنے کہ اے میری خدا ‏ کیوں یہاں آنیکی میں نے تجھسے کی تھی التجا
اس جزیرہ ہی میں مر جاتا اگر تو خوب تھا ‏ اس غم و رنج و الم میں خود ہوا میں مبتلا

تھا وہاں مجھکو بہت کم اپنی حالت کا الم
انکی تنہائی کا غم تھا انکی فرقت کا الم

اب وہیں پہنچا دے مجھکو جلد میرے کبریا ‏ موت کو یا بھیجدے یہ سب سے بہتر ہے دوا
زندگی کا لطف اس دنیا میں کیا مجھکو رہا ‏ پاس اپنے ہی بلا لے جلد مجھکو اے خدا

یک بیک وہ خوش ہوا گویا کہ اچھا ہو گیا
تین دن زندہ رہیگا دل کو القا ہو گیا

پھر وہ مریم پاس آیا اور کہا اے مہرباں ‏ راز سربستہ میں اک عدہ یہ کرتا ہوں عیاں

پریشانی دیکھکر یہہ جائیگا سب پر عیاں
اسکو دنیا بھر مری بیٹی کو تم اے مہرباں
میری الفت ہو وہی ور ہوں میں مریم جاں
سب سمجھ بیٹھے ہیں زمانہ میں محبت کا نشاں

میری بیٹی قبر میں رکھ دیجیو اپنے ہاتھ سے
حشر تک پھر یہہ جدا ہوگی نہ میری ساتھ سے

تیسری ہی شب مر گیا آخر اناکِ دل حزیں
جب سُنا سب نے یہہ قصہ دلخراش و دلنشیں
جا کے مریم نے کیا اعلان اسکا ہر کہیں
لاش پر آئے جگر تھامے ہوے اندوہگیں

ختم کر یاور کہانی خانماں برباد کی
دھوم سے میت اُٹھی اس عاشقِ ناشاد کی

قرض

قرض بھی دنیا میں ہے یک بد بلا
کون کہتا ہے بھلا اُس کو بھلا
اُس کا چسکا پڑ گیا جس شخص کو
اس بُرائی کو وہ کیا سمجھا بھلا
قرض لینے کی جو عادت پڑ گئی
اپنے ہاتھوں سے پھنسایا خود گلا
کچھ نہ آیا ہاتھ جز شرمندگی
گو کفِ افسوس پھر برسوں ملا
لے لیا جو کچھ ملا بے دغدغہ
دیدیا سودی تمسک برملا
بند کر لی آنکھ لیتے ہی گئے
کوئی سا ہو مل گیا جب منچلا

مال موروثی کی کچھ سمجھے نہ قدر — قدر کیا ہو جب کہ بے محنت ملا

ہنڈیاں لکھ لکھ کے قرضے لے لیا — پھر تو بگٹٹ سود کا گھوڑا چلا

رات دن بڑھتا رہا آندھی کی طرح — باد صرصر ساتھ کیا دیگی بھلا

قرض میں گو بندھ گیا ہو بال بال — اور تقاضہ سے ہمیشہ دل جلا

دل نئی فیشن پہ بس لہلوٹ ہے — گھر کا فرنیچر ہو گو اچھا بھلا

آنکھ میں کھپتا نہیں کوئی لباس — گر نہ ہو فیشن کے سانچے میں ڈھلا

ہو تو ہو ٹھنڈا نہ لب تک آسکا — برف میں جب تک نہ ہو ساغر جلا

فیشن ایبل پگڑیاں لندن کی لیں — رہن رکھی تیغ بیچا پرتلا

گھر میں ہیں گو بگھیاں ہر قسم کی — شوق موٹر کا نہ ٹالے سے ٹلا

گھر کا زیور بیچڈالا بے دریغ — تاپنے کے واسطے سب گھر جلا

دل میں ٹھنڈک پڑ گئی چین آگیا — جب ڈرایور تیز موٹر لے چلا

کان پر جوں بھی نہ رینگی آپ کے — غیر کا ان حرکتوں سے دل ملا

کون ہی جو قرض لے کر خوش رہا — قرض کا لینا بھلا کسکو پھلا

حیف ہی کس وقت ہیں آنکھیں کھلیں — قرضخواہوں نے دبایا جب گلا

نالشیں ہونے لگیں گھبرا گئے
نام سے وارنٹ کے تھرا گئے

ہو گئی دعووں پہ دعوے بیشمار
خانداں سے نام تھا مشہورِ خلق
پھر رہے ہیں اب تو بغلیں جھانکتے
بات بھی کوئی نہیں اب پوچھتا۔
دوستو انکو روز دیتے تھے ڈنر
جمگھٹے باغوں میں تھے احباب کے
تھے درختوں میں کہیں جھولے پڑے
تھاپ طبلہ پر پڑا کرتی تھی روز
ہارمونیم ارغنوں فونوگراف
جب خزاں آئی ہوئے ناساز ساز
تھی بٹیروں کی کہیں پالی جمی
روز اڑاتے تھے کبوتر شام تک
بچپنے سے تھا جو کنکوے کا ذوق
گھر کی دولت اور اثاثہ پھونک کر
تھا نہ لینے کے سوا دینے کا نام

لگ گئی سمن پہ سمن کی قطار
اب عدالت میں لگی ہونے پکار
دل ہے سینہ میں نہایت بیقرار
چند دن پہلے جمے رہتے تھے یار
دعوے ہوتے تھے پئے سیر و شکار
ناچ گانے میں کٹے لیل و نہار
اور بے فکری سے گاتے تھے ملار
قصر میں ہر روز بجتا تھا ستار
دل کے بہلانے کو تھے ساماں ہزار
ختم آخر ہو گئی فصل بہار
جنگجو مرغوں کی تھی یک سو قطار
تھے کبوتر باز نوکر بے شمار
بے بڑے میداں نہ آتا تھا قرار
رہ گیا تھا قرض ہی پر بس مدار
اک خزانہ غیب کا سمجھے ادھار

شاپ والوں نے بھی دعوی کر دیے — قرقیاں آنے لگیں انجام کار
تھی جو مرہونہ بکی وہ جائداد — پھر بھی قرضہ رہ گیا ہے بیشمار
رنج و غم کا ہر گھڑی ہے سامنا — اپنی حالت پہ ہوئے آپ اشکبار
قید ہو جانے کی نوبت آگئی — فائدہ کیا اب ہوئے گر شرمسار
کون ہے ڈھارس جو دے اس وقت میں — قرض خواہوں کا ہے نرغہ بیشمار

روز بد آخر دکھایا قرض نے
قعر ذلت میں گرایا قرض نے

قرض ہی ہے ذلت و خواری کا گھر — قرض کی راہیں ہیں پر خوف و خطر
الحفیظ اے قرض تجھ سے الحفیظ — الحذر اے قرض تجھ سے الحذر
قرض سے مقراض الفت لاکلام — قرض ہی تو قرض سے ہر وقت ڈر
راستہ کو قرض سے کترا کے چل — قرض کی جادہ میں ہیں لاکھوں خطر
قرض کا انجام ہے شرمندگی — قرض ہے تخم اور ندامت ہے ثمر
آج قرضہ سے چھورا پن کیا — کل یہی قرضہ ہے اور خون جگر
نام دھرنے کون تجھ کو آئے گا — پاؤں پھیلا اپنی چادر میں اگر
تو دوشالہ اوڑھ لے قرضہ سی آج — کمل تو ہی ہے اور کمل دوش پر

سو کریں کھاتا پھریگا کو بکو
قرض ملتی ہو اگر لیلی تجھے
اپنے آپ سے گذر جائیگا تو
پھر کہیں کا تجھکو رکھیگا نہ قرض
اپنے سر پہ ہاتھ رکھکر رویگا
قرض شیریں دیکھنے میں ہو تو یہ
قرض کو جان آتش صد خانماں
کس نظر سے دیکھتا ہے قرض خواہ
جب تقاضہ قرض کا تجھ سے کیا
قرض کی نعمت کو تو پھر کر نہ دیکھ
کر قناعت قرض سے رہ دست کش
دیکھ ای غافل بہت پچتائیگا

بھیک منگوا دیگا قرضہ دربدر
تو نہ مجنوں بن خدا کو مانگ کر
قرض نے مفتوں کیا تجھکو اگر
دین و دنیا سے رہیگا بے خبر
رہن ہو جائیگی جب دستار سر
تو سر قرض لیا ہے ادہر تبر
ہے تماشہ دیکھنا گھر پھونک کر
منصفی سے اپنے دل میں غور کر
کیا گذری جو تیرے قلب پر
دے غذا نان جویں تو شکر کر
ہر طرح ہو جائے گی آخر بسر
قرض کم لیتا رہا تو بے خطر

قرض سے اپنے تئیں آزاد رکھ
دیکھ یاور کی نصیحت یاد رکھ

تقابل اخلاق و عشق

اخلاق و عشق دونوں ہیں یک تک شاعری کے
گستاخ ایک انمیں اور دوسرا مہذب
ہی ایک سعی ز دل سی مانند شعلہ سرکش
دونوں کو یہی کد دونکو ہی یہہ کاوش
بولا یہہ عشق آخر سن ای وفا کے پتلے
تا یہہ ہو یا کہ زاہد راسپ ہو یا کہ تائب
اقلیم پر ادا کے میں حکمراں رہونگا
میں جسطرح کہونگا کرنا پڑیگا ویسا
ہیں جس کلام میں ہوں رنگین و دلنشیں ہی
عشاق ہی نہیں ہے میری شاگرد ہیں سا
رکھتے ہیں درد میرا عشاق دل میں اپنے
یہہ عندلیب خوشگو کرتی ہے مدح کسکی
گر میری تذکرہ میں لذت نہیں ہی حاصل

دونو میں بحث ہی یہہ کی کون کس سی بہتر
اک رند نوجوان اک پیر خجستہ منظر
اور اک سر تواضع رکھی ہوی زمین پر
ثابت ہوں خلق میں ہم اک دوسری سی بہتر
دل کو لینا ہی ایسا جسمیں نہیں مرا گھر
ہر ایک پوچھتا ہی میرے ہی در کا پتہ
بندہ مرا رہیگا سلطان ہو یا گدا گر
درویش بے نوا ہو یا کوئی صاحب زر
گلدستۂ سخن میں میری ہی ہیں سبک تر
میرا ہی تذکرہ ہی معشوقوں کی زباں پر
پڑھتے ہیں میرا کلمہ معشوقِ ماہ پیکر
کیوں محو ہو رہی ہی سنیئے تو کان دہر کر
کیوں نہ ہو عشق آخر پھٹتی ہیں لوگ گھر گھر

اس ملک عاشقی کی سلطان بنی ہوئی ہیں
فرہاد و قیس و وامق میرا ہی جام پیکر

خوبی کلام میں ہی میری سبب سی ورنہ
بڈھیوں کی سی نصیحت بے لطف ہی سراسر

نظمیں ہزار ہا ہیں جنمیں ہی میری صنعت
دیوان بھری ہوئی ہیں میری ثنا میں یکسر

سب شاعران نامی رنگیں بیان خوش گو
میری ہی مدح خواں تھی اور لکھ گئی ہیں دفتر

اخلاق کی کہاتے سن مجھسے وصف اپنا
او بے حیا و نادان او کافر فسوں گر

آوارہ ہو گئی ہیں تیرے سبب سی لاکھوں
تاراج ہو گئی ہیں اکثر بھری پری گھر

پی پی کے خوں جگر کا عشاق مر گئی ہیں
کھا کھا کے زہر سوئے معشوق ماہ پیکر

دیکھا بھی گر کسی نے صبح قضا کو دیکھا
کاٹی بھی رات ساری تو کروٹیں بدلکر

کیسے جوان رعنا جو تھے جہانمیں یکتا
دنیا سے اٹھ گئی ہیں مردی کی شکل بنکر

میرا تو اس جہانمیں برباد کرنا ہی تو ہی
قابو میں دل نہ رکھا تیرا چلا جو منتر

بولا یہہ عشق سنکر استاد ہاتھ لاتا
لوٹے اب تو مانا کیسا ہو تیں فسوں گر

بولا یہہ خلق سنکر او سادہ لوح و جاہل
ہے تجھکو فخر اسپر جو عیب ہے سراسر

ابلیس کی طرح سی پھندے میں گر پھنسایا
نازاں ہی اس پہ نادان لاحول پڑھ حذر کر

میری مقابلہ میں تو کیا ٹھہر سکے گا۔
تجھ میں بناوٹیں ہیں مجھمیں ہی رنگ تیغ

تو کاردان ظلمت میں منزل ہدایت
تو غول میں ہیں خضر ہوں، تو راہزن ہیں رہبر

میں بد کو نیک کردوں تو نیک کو کروں بد
میں ہوں سبیل عرفاں تو راہ فتنہ و شر

میری ہی دم سے ساری خوبی کلام میں ہے
ہے لفظ لفظ میرا تیغ بیاں کا جوہر

ابتر پڑے ہوئے تھے اوراق نظم سارے
شیرازہ سخن کو باندھا ہی میں نے آکر

میرا لوائے شاہی قایم سدا رہے گا
ہو آسماں کو گردش یا ہو زمیں کو چکر

لپٹی ہوئی ہے دولت میرے قدم سے بیشک
پیرو رہے جو میرا بے زر بھی ہو تونگر

اس بحر شاعری میں طوفان بپا ہوا تھا
کشتی نظم کا میں آخر بنا ہوں لنگر

ہوں نہر عشق میں بھی تو غور کر جو نادان
چمکا دیا ہے تجھ کو منظر مرا دکھا کر

جس رنگ شاعری میں شامل مجھے کیا ہے
وہ نظم ہو گئی ہے سرمایہ سخنور

یورپ کی شاعروں کی میری ہی قدردانی
ملٹن ہوں یا کہ ٹینیسن ورجل ہو یا کہ ہومر

سودا و میر و غالب ناسخ اسیر آتش
اور مصحفی و قایم سب ہیں میری ثنا گر

صائب ہوں یا کہ سعدی حافظ ہو یا کہ عرفی
فردوسی اور جامی خاقانی اور سنجر

ہر اک ہی مجھ پہ مائل ہر اک ہے میرا طالب
ہر اک ہے میرا خواہاں سب کا ہوں میں یاور

خیر الامور اوسطہا

بہترین شئ زمانہ میں ہے یا در اعتدال		اسکی خوبی میں کبھی پایا نہیں ہمنے زوال

ہے یہہ فضل کبریا

ہوں تو ہوں وصلت ابھی قابلِ تحسین مگر	اپنی حد سے جب تجاوز کر گئے ہیں پُر خطر
شک نہیں اسمیں ذرا	
سیہ عناصر زیست کا انساں کی ہی جسپر مدار	وہ یہی ہیں چار یعنی خاک و باد و آب و نار
اور نہیں اسکے سوا	
معتدل ہوتی ہی تھی انساں کی خلقت منحصر	جسکی آمد کی تھی سب جن و ملائک منتظر
سمجھے تھے شانِ خدا	
اعتدال انگیز جب رنگِ عناصر ہو گیا	اور ہیولی صورتِ انساں میں ظاہر ہو گیا
اسکا پھر کیا پوچھنا	
اشرفِ کونین انساں ہی نہیں اسمیں کلام	دنگ ہیں جس سے فرشتے یہ وہ کر جاتا ہے کام
لائق مدح و ثنا	
توڑ ہی لاتی ہیں تارے جا کی سیہ افلاک کے	نرم کر دیتے ہیں آہن کو یہ پتلے خاک کے
ہے عجب ذہنِ رسا	
کھینچ لیتے ہیں ملنا ہیں یہ زمیں کی سر بسر	انکے ہاتھوں میں سمٹ آتی ہیں یہ موزوں بحر و بر
جیسے کاہ و کہربا	
وہ سمندر جن کا ملتا تھا نہ ہرگز اور چھور	وہ بیاباں جنکی پیمائش میں چلتا تھا نہ زور

ناپ ڈالا جا بجا

خاک ہی ہے جس سے بنتی ہیں عمارات بلند — جنمیں رہنے سے پہنچ سکتا نہیں کوئی گزند

ابر ہو یا ہو ہوا

پھر یہی وہ خاک ہے جب اسکی کثرت ہوگئی — قافلے دب دب گئے گھر یا قیامت ہوگئی

ہو گیا محشر بپا

آگئی آندھی میں آفت جب ہوا طوفانِ خاک — خاک میں اور راکھ میں دب کر ہوا عالم ہلاک

آگئی سر پر قضا

اس ہوا سے زیست ہر ذی روح کی ہے لاکلام — اور اسیکے دم سے ہے دورانِ خون کا انتظام

اور چلنا سانس کا

ابر کو کہسار سے باغیں میں لاتی ہے ہوا — اور ترشحہ رحمتِ حق کا دکھاتی ہے ہوا

ہوتی ہے نشو و نما

ابر کی ٹکڑیوں کو اک جا جمع کرتی ہے یہی — دشت و در میں لیکے ساتھ اپنے گزرتی ہے یہی

ہوتا ہے جنگل ہرا

ہے ہوا کی وجہ سے آپس میں یہ گفت و شنید — ورنہ تصویر خیالی بنکے رہتے ہمدید

حرف ہوتا بے صدا

شل گو نگو کے اشارہ کر کی جیتے ہم اگر | ہر جگہہ شہر خموشاں ہی ہیں آتا نظر

ہوتی پھر وحشت سوا

ہے ہوا کی فیض سی سرسبز اک کاشتکار | اس سی کھیتوں میں طراوت اس سی باغوں میں بہار

اس سے صحرا میں فضا

ہیں ہوا میں خوبیاں لیکن ہی جبتک اعتدال | جب بڑہی حد سی تو آجاتا ہی ہر شی میں زوال

ہے نمونہ قہر کا

جب یہہ آندہی نکلی آدی پھر قیامت خیز ہی | اسکی آمد کی صدا بھی کیسی ہول انگیز ہی

اور کیسی جاں گزا

وہ شجر جنمیں چوٹیاں جنکی نہایت ہی بلند | وہ محل جو عرش سی کرتی تھی باتیں بیگزند

تھا فلک سے سر ملا

بیخ و بن سی اسطرح اکھڑی نہیں انکا نشاں | گہری گہری غار اب انکی جگہہ پر ہیں عیاں

اور ہیں عبرت فزا

بحر میں آجائی تو طوفان یہہ برپا کرے | ایک جھونکی میں جہازونکو تہ و بالا کرے

مضطرب ہو نا خدا

اب بھی ہوا یک عنصر جو کہ ہے اصل حیات | اسکا ہی محتاج ہر ذی روح ساری کائنات

ہے یہی آبِ بقا

یہ نہ ہو تو زندگی انساں کی دشوار ہے | کشت و پالیز و گلستاں کیلئے درکار ہے

جھوم کر آئی گھٹا

یہ نہ ہو تو پھر گہر کی آبرو کچھ بھی نہیں | یہ نہ ہو تو پھر گلوں میں رنگ و بو کچھ بھی نہیں

ہے بہارِ جانفزا

یہ نہ ہو تو تیغ ہر ساونت کی بیکار ہے | یہ نہ ہو تو منہ شریفوں کو دکھانا عار ہے

ہے عجب اسمیں صفا

یہ نہ ہو تو آئینہ میں شکل کیا آئے نظر | یہ نہ ہو تو چشمۂ خور بھی ہے مانند حجر

اسمیں ایسی ہے جلا

یہ نہ ہو تو دامنِ کہسار کیا شاداب ہو | یہ نہ ہو گر تو جڑی بوٹی ہر ایک نایاب ہو

ہاتھ کیا آئے دوا

ہے یہ رحمت کبریا کی جب تلک ہے اعتدال | اپنی حد سے بڑھ گیا تو پھر ہے زحمت و وبال

بلکہ ہے قہرِ خدا

اسکی کثرت سے تلاطم پڑ گیا طوفاں ہوا | اسکی شدت سے ہر ایک انگشت بدنداں ہوا

اور کفِ حیرت ملا

دشت سی بستی میں آیا اور قیامت آ گئی — جسطرف کو رُخ کیا بس ایک آفت آ گئی

کر دیا سب کو فنا

یاد رکھینگے قیامت تک وہ کُل خاص و عام — تیرہ سو چھبیس ہجری غرۂ ماہِ صیام

اور دن تھا پیر کا

کر دیا دریا کو مالا مال لوٹا اُسنے شہر — کچھ برس پہلے اسی پانی نے کیا ڈھایا تھا قہر

اک قیامت تھی بپا

ایک عنصر نار ہی ظاہر ہیں جسکی خوبیاں — جو کہ ہر اک جسم خشک و تر میں رہتی ہیں نہاں

ہے عجب شانِ خدا

سخت پر کیونکر غذا کی ہو نہو آتش اگر — خوں نہیں ذی روح کی اسکا نہوتا گر اثر

کب رگوں میں دوڑتا

کارخانہ نہیں اسی آتش سے سب چلتا ہی کام — سب کلیں بیکار ہوں اسکا نہو گر انتظام

ہے یہی تو جابجا

ہی اسی کا سب کرشمہ ریل ہو یا ہو جہاز — اور تجارت کو اسی نے کیا دیا ہے امتیاز

اُس کا جھنڈا گڑ گیا

ہوگئی ہیں نازنینیں سیکڑوں اسمیں ستی — اسکے آگے سجدہ میں جھکتی ہیں لاکھوں کہتی

اُٹھتے ہیں دستِ دعا

ہے زراعت جسکی باعث وہ حرارت ہی تو ہے
نازونعمت جسکی باعث وہ حرارت ہی تو ہے

فیض جاری ہے سدا

ہے فواکہ اور میوونکو اسی سے نمود
ہی گلونکی بوٹیونکی تنیونکی ہست و بود

سب کی اس سے ہے بقا

حد سے بڑھکر پھر کسی کی آشنا ہوتی نہیں
غیظ میں یہہ دوست کی بھی آشنا ہوتی نہیں

کھینچ کر تیغ جفا

جنگلونکو اور شہرونکو یہہ کرتی ہی تباہ
بھاگ جاتی بھی انسانکو نہیں ملتی پناہ

صورتِ پیکِ قضا

الغرض دنیا میں بہتر ہی ہر اک شئی معتدل
جو ہی اوسط اُسکی خوبی کا ہی قائل سب کا دل

ہے یہہ قول انبیا

چال چلتا ہی وسط کی جو ہی مرد ہوشیار
اُسکے خوش حالی میں ہوتی ہیں بسرلیل و نہار

خوش وہ رہتا ہی سدا

کوئی حد بخل تک پہونچا تو وہ منحوس ہے
لوگ کہتے ہیں اُسی کنجوس مکھی چوس ہے

نام لینا ناروا

ہو عبادت یا ریاضت یا سخاوت یا کہ حلم
حدِ اوسط تک مناسب جانتے ہیں اہلِ علم

اُس سے بڑھنا ہی خطا

ہو جو موسم معتدل ہر طرح کا آرام ہے
کچھ تجاوز کر گیا تو موجبِ آلام ہے

جینا دوبھر ہو گیا

خوبیاں ہیں خوبیاں لیکن بحدِ اعتدال
اپنی حد سے جب بڑھیں پھر آ گیا انپر زوال

ہے سما جب تک بھلا

شکایتِ بیجا

کہا اک مرد نے اپنی بیوی سے
عورتوں کے لئے تو ہے آرام
گھر میں لائیں کما کی محنت سے
فکر انکو یہی ہے صبح و مسا
گھر میں فاقہ کہیں نہ آجائے
ہڈیاں چور ہیں مشقت سے
دھوپ ہو یا کہ کثرتِ باراں

[illegible]
ہیں تو مردوں کے واسطے آلام
کس عرق ریزی و مشقت سے
بیوی بچوں کا ہو نہ دل میلا
چار سو دوڑ دھوپ کرتے ہیں
گزری جاتی ہے [illegible]
گرم و سرد زمانہ سہتے ہیں یکساں

فکر سے اپنی کام انکو ہے ۔ دم کا لینا حرام انکو ہے

خواب میں بھی یہی ہی فکر انہیں ۔ جاگتی میں یہی ہی ذکر انہیں

اسطرح رات دن گذرتے ہیں ۔ گاہ جیتے ہیں گاہ مرتے ہیں

یہہ نہی انپہ کیا مصیبت ہے ۔ بچپنے ہی سے ایک آفت ہے

ہوش بھی کچھ نہیں سنبھالا تھا ۔ کہ بزرگوں سے اپنے پالا تھا

ہاو بیحا لگے خفا ہونے ۔ ہر طرح پر لگی جفا ہونے

کچھ خطا کی نہ کچھ قصور کیا ۔ جو اٹھا اسنے ہم کو مار لیا

سب سے بڑھکر بڑا یہہ جبر ہوا ۔ رکھدیا ہم پہ ایک کشتہ ملا

کبھی وہ خود بنے کبھی اُلّو ۔ مارے تیموں کے کر دیا اُلّو

یوں ہی مکتب کی پائی کچھ تعلیم ۔ فکر روزی کو جھک کی کی تسلیم

نوکری کی تلاش ہمکو تھی ۔ سر نظر آگئیں جو بی شادی

بچپنے میں جو ہم ستاتے تھے ۔ تو بڑے بوڑھے سب ڈراتے تھے

دیکھو بی شادی کو بلا لینگے ۔ اسکی صورت تمہیں دکھا دینگے

ابھی بھولی بھی تھے نہ یہ باتیں ۔ سر لگیں ہونے بیاہ کی گھاتیں

ہر طرف سے پیام آنے لگے ۔ سب ہمارا گلا پھنسانے لگے

تھی جو ماں باپ کی خوشی منظور — نام کو ہم بھی ہوگئے مسرور

تھی جو منظور خانہ آبادی — ہوئی جھٹ منگنی اور پٹ شادی

پھر تو ہر طرح کی بڑھی افکار — ہوگئے دور ہم سے صبر و قرار

پھر جو گزری وہ تمسے کیا ہی نہاں — کہیے سو داب عیال کا بیاں

بال بچوں کی فکر ہے ہر دم — ایک شادی ہے اور ہزاروں غم

الغرض بچنے سے تا این دم — کشمکش میں رہا کیئے پیہم

عورتوں کو بھلا کہاں ہے فکر — ہو تو کیا انکی زندگی کا ذکر

ہو غریبی و یا امیری ہو — بادشاہی ہو یا فقیری ہو

گھر وہ ہر طرح سے رکھائینگی — جو ملیگا وہ گھر میں لائینگے

کہیئے مردونکی ذات کو شاباش — ہے کہاں عورتونکو فکر معاش

انکو تعلیم بھی ضرور نہیں — نہ پڑھی ہوں تو کچھ قصور نہیں

پھر نہ یارا لئے ضبط اسکو رہا — اور متانت سے مسکرا کے کہا

سوچ سمجھو ذرا خدا سے ڈرو — یوں تو یکطرفہ فیصلہ نہ کرو

سُن تو لو عورتوں کا پہلے جواب — پھر کرو اختیار راہِ ثواب

گھر کا گھر آگ سب انھیں پہ ہے — لاکھ سودا ہے اور اک سر ہے

خانہ داری سی مرتی ہیں ہماری
سہل سمجھے ہیں آپ گھرداری

چین کب شکوے سی جو دنکو نہیں
کون وہ فکر ہی جو اُنکو نہیں

خوب سمجھی ہیں آپ ہی شاباش
کہ نہیں عورتونکو فکر معاش

وہ کہاں تمکو ہی جو اُنکو ہے فکر
کیا بھلا اُن مصیبتونکا ذکر

سیکڑوں ہوگئیں در ماندہ
سیکڑوں بیبیاں درماندہ

سیکڑوں وہ جو تھیں امیر کبھی
سیکڑوں وہ نہ تھیں فقیر کبھی

سیکڑوں جنکو بادشاہت تھی
سیکڑوں جنکے گھر وزارت تھی

سیکڑوں تھیں کبھی جو بالا مال
سیکڑوں جنکی لونڈیاں خوشحال

سیکڑوں جنکے گھر امارت تھی
سیکڑوں جنکے گھر تجارت تھی

نہ جواہر کی تھی نہ زر کی کمی
سیم و زر کیا نہ تھی گہر کی کمی

گردش چرخ سے ہوئیں مجبور
بھیک کا مانگنا کیا منظور

کی کہیں پر کسی نے مزدوری
ڈلیا ڈھوئی کہیں بہ مجبوری

ہے سلائی پہ ایک کی اوقات
کاڑھتی ہے چکن کوئی دن رات

جب کہیں چار پیسے آتے ہیں
رو کے روٹی یتیم کھاتے ہیں

اپنے بچوں کا دیکھ کر یہ حال
ہوئی جاتی ہیں ماں غریب نڈھال

اب نہ حاجب نہ کوئی ہے دربان
وہ ہی اور اُسکے گھر کا کونا ہے
فقر و فاقہ کا اک تو سر پہ وبال
بخت لیجائے گو بچو اُس کو
گو مصیبت پڑی مصیبت پر
بھیک کا ننگ بھی اٹھائے ہوئے
الغرض ان کو جو مصیبت ہے
اُسکو دشواریاں کہاں ایسی
جو کٹھنائیاں ہیں عورت پر
ان پہ بچپن سے جو مصیبت ہے
رہیں بوڑھوں بڑوں کے پاس سدا
کھیلنے کو اگر ہٹے دم بھر
نہ ہٹے اک منٹ کو پاس سے ہم
گھر کی مامائیں تک دباتی ہیں
ہے نصیحت ہمیشہ دب کے رہو

پہرہ دیتے ہیں در پہ فاقے خال
اوڑھنا ہے نہ کچھ بچھونا ہے
حفظ عفت کا پھر جدا ہی خیال
ہے مگر پاس آبرو اُس کو
حرف لیکن نہ آئے عفت پر
ہاتھ چادر میں پر چھپائے ہوئے
کب کسی مرد کو یہ آفت ہے
اُسکو ناچاریاں کہاں ایسی
نہیں مردوں پہ ایک ذرہ بھر
ایک نا آفت ہے اک قیامت ہے
ایک دم کو ٹلے تو حشر ہوا
آ گئے یہہ عذاب جاں بنکر
ماں کی آنکھوں تلے رہی ہر دم
باتیں بے وجہہ بھی سناتی ہیں
دم نکل جائے منہ سے اُف نہ کہو

گر زباں اک ذرا ہلاتے ہیں — خوف سسرال کا دلاتے ہیں

سچ تو یہ ہے کلیجہ جلنے لگا۔ — یوں ڈرایا کہ دل دہلنے لگا

سمجھے شادی کو اک بڑا جنجال — قعر دوزخ تھا یا کہ تھی سسرال

ہم پہ ہر قسم کا ہے رنج و محن — ہر طرح کا غرض کہ ہے قدغن

کوئی باہر سے بھی جو آتا ہے — اپنا ناحق وہ سینکے جاتا ہے

پڑھنے لکھنے کو جب بٹھائی گئے — پہلے کچھ مولوی ہی آ رکھے گئے

مولوی کل تو آج استانی — ایک بڑھی بد مزاج استانی

خود پڑھی تھیں جو کچھ پڑھانے لگیں — مثل طوطی کے بس رٹانے لگیں

دیتے ہیں صاحبانِ عقل سلیم — عورتوں کو اسیقدر تعلیم

واہ کیا خوب آدمیت ہے — مختصر علم کی ضرورت ہے

کوئی ان سے کہو کہ نادانو — عورتوں کو بھی آدمی جانو

کس لیے عورتیں رہیں جاہل — کس لیے عورتیں رہیں کاہل

کیوں نہ پڑھ لکھ کے ہوں بہتر قابل — کیوں رہے نقص کیوں نہ ہوں کامل

ہم جو لا جاہل یہ آدمیت ہے — آج تک عہد جاہلیت ہے

خود تو لکھنے دیں اور نہ پڑھنے دیں — خود ہی الزام جہل پڑھنے دیں

نہ تو علم و کمال سکھلائیں ۔ نہ تو صورت ہنر کی دکھلائیں
فلسفہ سے نہ جبر ثقیل ۔ غیر قوموں کی آنکھ میں بھی ذلیل
جہل جغرافیہ سے بے پایاں ۔ علم تاریخ کا نہ نام و نشاں
نابلد اس سے کیا ہے فقہ و اصول ۔ کیا ہے معقول اور کیا منقول
مرد خود ہم کو یوں رکھیں کاہل ۔ صنف نسواں کو پھر کہیں جاہل
واہ رے عدل واہ رے انصاف ۔ جہل کی حد نہیں قصور معاف
یہ تو سمجھیں کہ ہم بھی انساں ہیں ۔ ہم بھی علم و ہنر کے خواہاں ہیں
نعمتیں جو خدا نے اُن کو دیں ۔ وہی ہم سب کو کبریا سے ملیں
ہیں وہی ہاتھ پاؤں چہرہ و سر ۔ ہیں وہی آنکھ ناک قلب و جگر
اُن سے ہم عقل و فہم میں نہیں کم ۔ سب ہیں اولادِ حضرت آدم
ہے اُنہیں حکم گر عبادت کا ۔ تو ہمیں بھی ہے فخر طاعت کا
ہے وہی شرع اور وہی ہیں حدود ۔ ہے وہی لاشریک اک معبود
مرد و زن کا ہے ایک ہی مالک ۔ دونوں ہیں ایک راہ کے سالک
ایک گاڑی کی دونوں ہیں پہیئے ۔ اُنہیں ناقص ہوا تو کیا کہیئے
ہمکو علم و ہنر اگر وہ سکھائیں ۔ ہم بھی کاموں میں اُنکا ہاتھ بٹائیں

ہو جو اولاد ہم سے قابل ہو
باپ فرزند کو سبق جو پڑھائے
گھر کی باہر جو رکھے باپ قدم
وہ سفر کے لیے جو جائے کہیں
وہ اگر دل جلائے سکھلائے
وہ سکھائے جو مسئلات اہم
وہ اگر تلخ ہو تو ہو شیریں
وہ اگر سخت ہو سمجھائے
سایۂ کبریا وہ ہر پسر
وہ جو باہر کا انتظام کرے
پھر نہ ہیچون پہ وہ حساب کرے
مگر افسوس جب ہوئی لڑکی
اسکی تعلیم کی نہیں کچھ فکر
فرض اپنا ادا کیو چین آئے
سخت شادی کا باب ہی نجدا

نہیں ممکن کہ پھر وہ جاہل ہو
ہاں اسے پھر نیشی سے آگے بڑھائے
نگراں ماں پسر کی ہے ہردم
یہ نے پھر سراج راہ میں
یہ اسے ٹھنڈ ہی جی سے بھائے
نصیحت سے کردے مستحکم
سیکھے باتوں کی ہر کرے نیکیں
یہ آسے ہر نرم ہو کے سکھلائے
رحمت حق یہ ہو ہے دختر
گھر کا لکھ پڑھ کی سب یہ کام کرے
لکھ کے خود داخل حساب کرے
باپ کو فکر ہے تو شادی کی
ہے تو بس اسکے بیاہ کا کچھ ذکر
یہ کہیں اپنے گھر کی ہو جائے
جس میں ہم عورتوں کا بس نہ چلا

شادی ہیں سمدھیانے جانے کو — خوش ہمارا گلا پھنسانے کو
کچھ ہو لیکن ہمیں وہاں بھجوائیں — سمدھیانے میں گالیاں بھی کھائیں
مشورہ میں ہم اُنکے چوں نکریں — مار ڈالیں ہمیں جو ہوں نکریں
پھر تو اُنکی مراد اُن کو ملی - — ہوں کے کہنے میں گو زباں نہ ہلی
خوش ہیں اپنے پرائے اور عزیز — بنگئے عمر بھر کو ہم جو کنیز
بیاہ کا مسئلہ ہے سخت اہم — کہ ہے عورت کا دوسرا یہہ جنم
پاس رہتے ہیں اجنبی ہر دم — ہیں نئے لوگ اور نیا عالم
ہمکو ہے پھر گی طبیعت سے — انکو لاعلمی اپنی عادت سے
ایک تو گھر کے چھوٹنے کا ملال — طرح سسرال والوں کا ہی خیال
غم ہے ماں باپ کی جدائی کا — رنج بہنوں کا اور بھائی کا
ہم عزیزوں سے ہیں ستم چھوٹے — ساتھ کھیلے تھے جنسے ہم چھوٹے
ساتھ اچھا جو ہو غنیمت ہے — ورنہ آفت ہے ایک قیامت ہے
غصے والا جو مل گیا شوہر — ہو گئی زیست پھر ہمیں دو بھر
چاہنے والا اگر ملا جب بھی — فکر رہتی ہے ساس صاحب کی
ہے عموماً یہہ ساس کا دستور — کہ بہو کو سدا کرے رنجور

یہہ اطاعت میں جان کھوتی ہے | طعن و تشنیع اُس پہ ہوتی ہے
گر کسی بات کا جواب دیا | آگئیں سر پہ ساس بنکے بلا
دل میں جو آیا کر گذرتی ہیں | خوب بیٹے کے کان بھرتی ہیں
ساس صاحب تو دعوی کرتی ہیں | اور نندیں گواہی بھرتی ہیں
کر دیں وہ برخلاف بھائی کو | ہم کسے لائینگے صفائی کو
کہیں کس سے جو ہم کو کہنا ہے | دائم الحبس ہم کو رہنا ہے
منصفی سے جو کام لے شوہر | جب کبھی ہو تو ہو ہماری گذر
وہ گئے گھر سے آئی یہاں شامت | اُن کا جانا کہ آگئی آفت
بات ناچیت ہے بہو خاموش | آگیا اماں جان کو اک جوش
بیٹھے بیٹھے جو طیش کھانے لگیں | آپ ہی آپ بڑبڑانے لگیں
خود بخود تیوریاں چڑھائی ہوئے | بیٹھی ہیں گال منہ پھلائی ہوئے
ہے عیاں صاف چشم و ابرو سے | آپ باہر ہیں اپنے قابو سے
کس سے سمجھیں کہیں کسپہ آپا | کسکو پاؤں کسکو کھا جاؤں
تو کروں لونڈیوں پہ جھوٹ ہوئی | کوئی مردار ہے تو کوئی موئی
کر چکیں جب جلا کے انکو کباب | پھر بہو کی طرف کیا یہہ خطاب

کیسی بیٹھی ہے گو یہ سکیں
ابھی آجائے گر خصم گھر میں
بلکہ اپنی طرف سے اور لگائے
کہ بایں ڈرتی ہوں اس سے گو کہے
انکو معلوم اسی جب ہی ہوگا
بولتی ہی نہیں سو ئی بھری
ایسی باتوں پہ گر نہ وہ لڑکی
اور اگر ایسا ذرا نہ بات لگائے
ونگی پھر یہہ خطاب خوشدامن
ہے غرض عورتوں کو اک مشکل
بچوں بالوں کو پالنا ہی انھیں
نو مہینے تو پیٹ میں رکھیں
جبکہ پیدا ہو خیر سے فرزند
ہر طرح کے مصیبتیں جھیلے
رات کی نیند ہو حرام اسے

کچھ یہہ گویا کہ جانتی ہی نہیں
کہدے اپنی پرائی دم بھر میں
اپنے دل کی لگی کو جلکے بجھائے
اس کا بس ہو تو دور لیکے رہے
جب کریگی الگ یہہ گھر والا
چپ ہے کیسی نگوڑی بھن پیری
دیدیا بس خطاب بی گھونی
پھر تو بے طرح اسپہ آفت آئی
بی لڑاکا زباں دراز دلھن
کہ جگر سوختہ کباب ہے دل
جان مصیبت میں ڈالنا ہے انھیں
ہر مصیبت کا وہ مزا چکھیں
پھر یہہ سمجھا کرے اسے دلبند
جسمیں پاپڑ غریب یہہ بیلے
اسکے آرام سے ہو کام اسے

ہو جو بچے کو کچھ پریشانی
کوئی بیماری اُس پہ گر آجائے
ہے دعا اُسکے واسطے ہر آن
یہہ سلامت رہے نہ دکھ پائے
جان کی اپنی گو پڑیں لالے
یہہ جواں ہو خدا وہ دن لائے
جب جواں ہو گئے تو پھر کیا تھا
ماشاءاللہ اب ہوئے ہیں جواں
خود ہیں اور ہے دلھن کا اپنی پاس
ہے تو شوہر کے اپنی چاہت ہے
خود ہی لڑنے کو کھا رہی ہیں اُدھار
ساس بیچاری بیٹھی ہے خاموش
پاس کیا جائیں کیا کریں گی کلام
وہ کری بات یہہ اُسے سنائیں
پاس بھولیاں جو آجائیں
جا دیجا ہر اک شکایت ہے
کوستی ہیں نہیں ہے کچھ دسواس

تو ہوئی جاتی ہے ۔۔۔۔۔ ۔۔ ۔۔۔۔۔
یہہ سپینہ پہ اُسکے خون بہائے
آرزو ہے کہ یہہ ۔۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔۔
اسکی آئی ہو گر ۔۔۔۔ اجائے
اللہ آمین ہے یہہ ۔۔۔ پائے
چاندسی بیاہ کر دلھن لائے
دھیان کیا کسنے ہم کو پالا تھا
کسکی بہنیں ہیں اور کہاں کی ماں
پھر بہو خاک آئے ساس کو پاس
ساس کی کیا بھلا حقیقت ہے
لیکے جاتی تو خود ہی ہیں تیار
یہہ دکھاتی ہیں دور سے پاپوش
۔۔۔۔ ۔۔۔ ہیں صبح کا بھی سلام
یہہ دعا دیکے انگلیاں چٹکائیں
ساس کی نقلیں کرکے تھرکائیں
جھوٹی سچی نئی حکایت ہے
جائے دنیا سے یہہ نگوڑی ساس

کرچکی اپنا ہم سخن کر اے بہن
بولی تب سوچتا ہے مجھ کو ڈر
بعد تیرے گئے جو سفر
اسطرح آپ کی بسر ہوگی
ایسی تنہا بھلا رہو گی . بہن
بولی وہ مجھکو نا سے ہیں منظور
کے انکی حیات تک پنشن
تھا تھے گر گزریں تو نہیں کچھ دور
ساس بیچاری کچھ ہے نہ تنے
گھر میں آجائے جب کبھی شوہر
یوں بھری کان پیٹ میں ٹھکر
اسی حالت سے کرلیا پاگل
ہے وہی ماں جو پیار کرتی تھی
جان کو اپنی جان تب سمجھی
ختم کرتے ہیں اپنا ہم جھگڑا
عورتوں کی ہوں مرد دل سے رفیق
بیٹیوں کو سکھائیں علم وہنر

[illegible] اری [illegible] بہن
بولا [illegible] بہر کو سنا کوئی
دولہہ بھائی ابھی نہیں لوٹ
زیست اسطرح پُرخطر ہوگی
کس سے دکھ درد پھر کہو گی بہن
اس بڑے سانپ سی رہو غیر دور
بعد اسکے ہیں لاکھ رنج و محن
ساتھ رہنا مجھے نہیں منظور
خود بخود اپنی آگ میں یہہ جلنے
یہہ شکایت کے کھولدے دفتر
اُسنے [illegible] کہا ہوا باور
پھر گیا ماں سے اُسکا آخر دل
جان تیر پر نثار کرتی تھی
غلطی اپنی آہ اب سمجھی
اب ہماری یہی ہے حق سے دعا
اور خدا ان کو نیک دی توفیق
رکھیں بہنوں پہ یہہ کرم کی نظر

جلوہ گر ہم دل میں آ سکے وہ ہمارے دل میں ہے

ہیں شریک رنج و راحت ہر گھڑی شام و سحر
انکی فرقت کا دل مسکیں پہ ہوتا ہے اثر

ہو نہ میلا دوست کا دل ہے یہی پیش نظر
ہے وطن میں عالم غربت ہوں احباب اگر

زندگی کا لطف بے احباب کے رہتا نہیں
کیسی ہی آ جائے آفت کوئی کچھ کہتا نہیں

ذکر کر دوں اک حکایت کا فسانے کا تمام
مستقر تھے [illegible] ہر تو شہ [illegible] اسکو تمام

یہ سمجھا ہے اک فرنگی کا [illegible] تمام
دوست [illegible] کا [illegible] تھا

تھے وہ قالب ظاہرا باطن میں دونوں ایک تھے
راست باز و باوفا و باحیا تھے نیک تھے

[illegible] کسو آتی [illegible] اسکی اک کنیز
باسلیقہ [illegible] کہتا تھا عزیز

[illegible] نہایت باوفا و باتمیز
[illegible] ذکر کیا تھی بیبیوں [illegible] چیز

نیک طینت نیک باطن وہ مبارک فال تھی
عصمت و عفت کی دولت سے بھی مالا مال تھی

[illegible] دونوں [illegible] صدق و صفا
جاریہ سے دیکھکر [illegible] مہر و وفا

[illegible] رشتہ [illegible] اک جا
مبتلائے عشق دونوں ہو گئے دل آ گیا

آخر کو اللہ [illegible] یہ دونوں صاحب [illegible] قسم [illegible]

دوست دونوں ایک ہی معشوقہ پر مرنے لگے

ہو گیا سودا انہیں وہ مشتری دل ہوئی
دوستی دونوں کی دونوں کی قاتل ہوئی

پھر نہ چین آیا طبیعت اسطرح مائل ہوئی
ایک لیلیٰ اور دو مجنوں بڑی مشکل ہوئی

دو مریضوں کے لیے اک عشق کا آزار تھا
کس کی وہ ہو کر رہے یہ فیصلہ دشوار تھا

ایک گل دو بلبلیں اک سرو اور دو قمریاں
یہ قیامت تھی کہ تھی آپس میں دونوں سے چاہ

ایک ہی ساغر پہ تھی دو رند میکش کی جاں
عشق کی درجہ سے الفت تھی نہ کمتر درمیاں

کہتا تھا اک عشق میں جینا مرا دشوار ہے
دوسرا کہتا تھا مجھکو بھی یہی آزار ہے

وہ حسینِ نازنیں دونوں پہ تھی یکساں فدا
عشق ایسا بھی زمانہ میں نہیں دیکھا سنا

اسکے دل میں بھی تھی دو شعلے محبت کی جدا
الفتِ صادق میں تھا اک دوسرے کا مبتلا

ایک کا رنج ایک کو ہرگز گوارا ہی نہ تھا
ترکِ الفت گر کریں آپس میں یارا ہی نہ تھا

ایک کہتا تھا مجھے مر جانے دو تم خوش رہو
دوسرا کہتا تھا یہ ہرگز نہ تم مجھسے کہو

ہو گئی محبت دونوں ہی سخت مشکل آ پڑی
جانتی ہیں اسکو سب یہ عشق کی منزل کڑی

ترکِ الفت بھی نہ ممکن تھا ہوئی آفت بڑی
شعلۂ الفت بھڑک اُٹھا دلوں میں ہر گھڑی

دوستی ہو ترک اس کا تو نہ یارا تھا انھیں
جان دینا اور مرنا بھی گوارا تھا انھیں

دل کو ہاتھوں سے وہ آخر ہو گئی بے اختیار
پہلے اُسکے گرد پھر کر خوب روئی زار زار

لے گئے صحرا میں جیسے ہی اسکو ہو کے بیقرار
تھام کر دل اپنی معشوقہ پہ ہوتی تھی نثار

محو حیرت تھی وہ ان دونوں کے ساتھ آئی ہوئی
جوشِ الفت دیکھکر دونوں کا شرمائی ہوئی

سہ پہر کا وقت جا کر ہو چلا تھا جھٹ پٹا
دلکشی ہر شے میں پیدا اور منظر خوشنما

وہ سہانا پن وہاں کا اور وہ صحرا کی فضا
دلربا کے ساتھ ہو جاتی ہے ہر شے دلربا

صانعِ قدرت کی صنعت تھی عیاں اشجار میں
مخملی تھا فرش ہر سو دامنِ کہسار میں

دلکو بیتاب کئے دیتی تھی پھولوں کی مہک
وہ کفِ گل پر زرِ گل کی درخشندہ چمک

دل جلوں کی تھی طراوت بخش سبزہ کی لہک
جسطرح ہو عارضِ نازک پہ پسینے کی نمک

وسعتِ صحنِ گلستاں دامنِ زرتار ہے

[illegible]

ایک اک گل بوٹے میں تھی بوئے عجائب انتشار
گل کی رنگ رنگ میں بھرا تھا گویا عطر بہار
پتہ پتہ سے نمایاں تھا قدرت پروردگار
جوش گل سے ہر شجر پہنے ہوئے [illegible]

ہر طرف گلشن تھا عطر افشاں سے عنبر بیز سے
سارا جنگل بس گیا خوشبوئے دل آویز سے

رقص میں طاؤس تھے سنکر صدائے آبشار
وہ چٹانوں پر سے پانی کا چھلکنا بار بار
کوہ سے پانی کی جاری جابجا وہ جوئبار
اور وہ ڈیرہ نہیں آب صاف و شیریں خوشگوار

بوندیاں جو ابر سے ٹپکیں وہ فوراً چھن گئیں
جھاڑیاں سب بہر آب کوہ فلٹر بن گئیں

دامن کہسار میں ہر گل رنگینی کی قطار
یا کسی معشوق کے سینہ پہ ہو پھولوں کا ہار
جس طرح سنجاف سے چمکے قبائے زرنگار
یا کسی میلے میں آئیں سجکے بن کر سنگار

نشہ میں نشو و نما کے سب تھے متوالے ہوئے
اک شجر باہیں گلے میں ایک کے ڈالے ہوئے

دیکھکر صحرا کا منظر ہو گئے وہ خوشحال
مردنی چہرہ پہ چھائی ہو گئی غم سے نڈھال
یک بیک ان عاشقوں کو آ گیا اپنا خیال
پڑ گیا رعشہ بدن میں چھا گیا دل پر ملال

دور کر کے اس عفریت کو اپنے پاس سے
پہر وہ معشوق نزدیک گئے وہ پاس سے

دونوں نے خنجر نکالے پھر کمر سے یک بیک
ہوگیا سکتہ سا اُسکو آگیا کچھ دل میں شک
دیکھ لی معشوق نے بھی آب آہن کی چمک
سوت نے دکھلائی خنجر میں جب اپنی جھلک

تاڑ کر اُنکا ارادہ وہ بہت حیران ہوئی
سوچکر انجام کار انگشت در دندان ہوئی

خنجر سے کہنے لگی ثابت کرو پہلے قصور
کیا خطا میں نے تمھاری کی کرو ظاہر ضرور
پھر سنا تو پایا وہ مجھکو نہیں ہرگز سے دور
بیگمانی کچھ ہوئی ہے یا پڑا ہے کیا فتور

پاکدامن ہوں یقیں جانو خدا کے واسطے
منہ سے کچھ بولو تو آخر کبریا کے واسطے

آنکھیں پھوڑیں غیر پر کی ہو اگر میں نے نگاہ
قتل کیوں کرتے ہو مجھکو بیچ ان بالکل بیگناہ
اور کی الفت کو کب ہے اس دل نگیں میں راہ
میں صفائی قلب سے کرتی ہوں خالق کو گواہ

غیر کا تو دھیان میرے دل میں آتا ہی نہیں
میری آنکھوں میں کوئی ہرگز سماتا ہی نہیں

سنکے یہ باتیں ہوا دونوں کو از حد اضطراب
شرم سے کٹ کٹ گئے اور ہو گئے وہ آب آب

ٹھنڈی سانسیں تو بھریں دل ہو گیا لیکن کباب
خود یقیں جس کا نہیں تھا اسکا کیا دیتی جواب

جو سبب تھا قتل کا اسکو نہ منھ سے کہہ سکے
باز اپنے قصد سے لیکن نہ ہرگز رہ سکے

دشمن یکجا تھے ہوا ہرچند دل کو اضطرار
حملہ ور آخر ہوی دونوں طرف سے ایک بار
مستعد اسپر ہوی جو کچھ تھا اسمیں قرار
کر دیا بسمل اسی پھر خنجر و نسے کرکے وار

تن بدن سے خوں کے فوارے رواں ہونے لگے
موت کے آثار چہرہ سے عیاں ہونے لگے

رو کے وہ بولی یہی ہے عشق کا شیوہ بھلا
تخم الفت کا یہی پھل ہے بتاؤ تو ذرا
کیا یونہی معشوق پر عشاق کرتے ہیں جفا
کیا محبت کا یہی انجام ہے بہر خدا

کیا اسی دن کے لیے الفت کا دم بھرتے رہے
جان لینے کو میری مجھ پر سدا مرتے رہے

واہ تم سے خوب چاہت کا ملا مجھکو ثمر
قیس و وامق کو سبق دو تم کو ملجائیں اگر
زمرۂ عشاق میں بیشک ہوئے تم نامور
اور کہو فرہاد سے شیریں کو وہ مارے تبر

خون میں معشوق کے یوں ہاتھ بھرتا ہے کوئی
چاہنے والے کو اپنے قتل کرتا ہے کوئی

رات دن کاٹی تمہاری یاد میں ہیں نے سدا ۔ دھیان رہتا تھا تمہارا ہی مجھے صبح و مسا
تم کو بھی میری محبت کا بہت تھا ادعا ۔ آج ثابت ہو گئی مجھ پہ وہ سب مہر و وفا

دل لگا کر تم سے لطفِ زیست حاصل ہو گیا
اور تمہارا عشق مجھ سے آج کامل ہو گیا

اس جفا پرستن کے شکوے نہ وہ دلدار کی ۔ برچھیوں سے چھد گئی پہلو میں اُس غمخوار کی
تیغ کی جو کرتے تھے یا چلے زبانِ یار کے ۔ جان دی دونوں نے آخر اپنی خنجر مار کے

نیم بسمل وہ تڑپتی تھی یہ بسمل ہو گئے
اسطرح مقتول دونوں اُسکے قاتل ہو گئے

شہر آشوب
مسمی
فسانۂ عبرت

پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہو یارو ہوشیار ۔ شور یہ کیسا محلے میں ہے یہ کیسی پکار
غلغلہ کیسا ہے یہ کیسا ہے شورِ گیر و دار ۔ خوابِ غفلت سے ذرا چونکو تو بہرِ کردگار

اُٹھو اُٹھو نیند کا اچھا نہیں اِسم خمار

نیند کی ماتو خبر بھی کچھ تمھیں ہی یا نہیں — اٹھ کے دیکھو تو ذرا کیا ہو رہا ہی کیا نہیں
غافلو یہہ خوابِ شیریں تلخ ہی اچھا نہیں — شہر میں اک شر برپا ہی تمھیں پروا نہیں
کیا قیامت خیز شورش ہی کہ دل ہی بیقرار

نیند کیسی ہی تمھیں ای دوستو بیدار ہو — آنکھ کھولو جلد کروٹ لو ذرا ہوشیار ہو
تا فصیل آئی ہیں فوجیں عازمِ پیکار ہو — جان دینے لڑنے مرنے کیلئے تیار ہو
قوم کے تم ہو فدائی ملک کی ہو جان نثار

پڑ گیا کہرام اک اور شورش بڑھ چلی — جو مصیبت آنیوالی تھی نہ وہ سر سے ٹلی
اک قیامت خیز غل سی بھر گئی ہر ایک گلی — اب کہیں لی اسنے کروٹ اور آنکھ اسنے لی
وائی حسرت خوابِ غفلت سی ہوئی کب ہوشیار

آنکھ سوتے سے کھلی تو رودِ موسی گھر میں تھی — سب فضائے صحن پنہاں پانی کی چادر میں تھی
زور وہ آفت کا لغزش جس سی بام و در میں تھی — در سے گھر میں گھر سی وہ تا بام اک دم بھر میں تھی
چھت سی باتیں کر رہی تھی پھر تو ہر پانی کی دھار

موجِ سیلابِ فلک سے گزر کر رہ گئی — موت اس طوفان میں آئی تو ڈر کر رہ گئی
کشتیِ عمرِ رواں پانی میں بھر کر رہ گئی — لاکھ کوشش سی جو ابھری بھی ابھر کر رہ گئی
پھر جو بیٹھی تا قیامت آگیا اسکو قرار

الاماں ای رود موسی کیا ستم تو نے کیا　　پہلے تو آتی نہ تھی ظالم تجھے طرز جفا
تو بھی دلکش تھی ترا منظر بھی تھا کیا دلربا　　پوجتے تھے لوگ آ آ کے تجھے صبح و مسا
اور برہمن کرتے تھے اشنان تا نصف النہار

شام کو ہر روز بیفکری سے ہوتی تھے بھجن　　جمع ہو جاتے تھے سننے کیلیے سب مرد و زن
تھے کنارو تیرے سوائی جن پہ سورج کی کرن　　روز کچھ سونا چڑھاتی تھی پڑھا ئیکو بھجن
جھجھاتے تھے کلس اور جگمگاتے تھے منار

کہکشاں کیطرح کیا منظر ترا پر لطف تھا　　آب شیریں بھی ترا کیا پر صفا پر لطف تھا
پیچ و خم تیرا ترا لا خوش ادا پر لطف تھا　　تیرا سبزہ لہلہاتا جانفزا پر لطف تھا
شہر بھر کے گرد تھا کیا خوشنما تیرا حصار

گرد تیرے مرد و زن کا رہتا تھا میلہ لگا　　رہتا تھا مجمع کناری پر ترے صبح و مسا
محفلیں زندہ دلونکی می کشونکا جمگھٹا　　وصف میں تیری سرا کر رطب اللسان ہر وقت تھا
حسن روز افزوں ترا کیا ہی دکھاتا تھا بہار

تھے محلے گرد کی گنجان اور آباد سب　　کہا کہیں ہر جگہ جلسے خوشی کی روز و شب
سب بسر کرتے تھے بیفکری سے با عیش و طرب　　دیکھکر اس خطہ کو اغیار کرتے تھے عجب
وہ مکانوں کی بلندی وہ دکانونکی قطار

آہ ای موسی کوئی ایسا بھی کرتا ہے ستم
تیرے چڑھ آنیسے برپا ہوگیا طوفان غم
بنگلے عشرتکدے ماتم کدے سب یک قلم
تیری زور جزر و مدّ سی پھٹ پڑا کوہِ الم
تیری لہریں ڈس گئیں سوتی میں آکر مثل مار

چند ساعت میں کیا برباد آدھے شہر کو
کر دیا تو نے عدم آباد آدھے شہر کو
قید ہستی سے کیا آزاد آدھے شہر کو
نامراد و مضطر و ناشاد آدھے شہر کو
آہ ای ظالم تیری دلمیں تھا یہ کب کا بخار

تو نے بے رونق کیا سفاک ساری شہر کو
دیکھیں اب اللہ کس دن پھر سنوارے شہر کو
کیا مٹایا ہے ستمگر کیسے پیاری شہر کو
خاک میں کیسا ملایا ہے ہماری شہر کو
کس زمانے کا ترے دلمیں بھرا تھا یہ غبار

تھا یہی دل کو کہ اب آیا ہی عبرت کا مقام
تھا نمونہ یہ قیامت کا نہیں اسمیں کلام
یاد رکھینگے قیامت تک اسکو خاص و عام
تیرہ سو چھبیس ہجری غرۂ ماہ صیام
روز دوشنبہ تھا طوفان شب سے تا نصف النہار

گو کہ شنبہ سے رہی مینہ کی جھڑی بالاتصال
ڈیڑھ فٹ بارش ہوئی بارہ پہر میں تھا یہ حال
روز یکشنبہ سے ندی میں ہی شورش کمال
لیکن اس طوفان کا کرتا نہ تھا کوئی خیال
جانتا تھا کون؟ آپہنچا ہے قہر کردگار

پہلے بھی ندی چڑھی تھی قبل اسکی بگمیاں
پس زیادہ سے زیادہ جاتی تھی سب کے ہاں
پانچ ہی سال اسکو گذرے تھے عیاں تھے یہ نشاں
بڑھ کی اس حد تک سیہ ہو گی پہلی یا دو پکھروا
دیہہ تک اسکا نہ ہوتا تھا سیہ کا انتشار

بس شبِ دو شنبہ کو بڑھنے لگی حد سے سوا
صبح تک ندی کا قبضہ دونوں جانب ہو گیا
پہنچی سیل جب ہر طرف کھینچی ہوئی تیغ جفا
گرد کے سارے محلے ہوتے جاتے تھے فنا
یہہ ڈبوتی جاتی تھی بڑھ بڑھ کے تا نصف النہار

پھر تو ساری شہر بھر پر چھا گیا خوف و ہراس
بیبیاں پردہ سے نکلیں سر برہنہ بد حواس
پانی پانی ہی نظر آتا تھا سب کو آس پاس
مال دنیا سے فقط ہمراہ تھا تن کا لباس
خوف انکا پردہ در تھا شرم انکی پردہ دار

تھیں جو یہہ پردہ نشیں باہر رکھنا تھا قدم
چاہتی تھیں جان دیں لیکن نہ ہوں بے پردہ ہم
گھر سے ندی نے نکالا یہہ ہوا ظلم و ستم
انکے مردوں نے نکالا انکو دے دے کے قسم
ورنہ انکو اپنے گھر میں دب کے مرنا تھا نہ بار

گود میں تھیں بعض کی معصوم با صد اضطراب
کوئی دامن تھامے شوہر کا بصد شرم و حجاب
بعض بچے انگلی پکڑے تھی ماں انکی باحال خراب
بال بکھرائے کوئی چہرہ پہ تھی جاتی نقاب
قافلے تھے بیسیوں ایسے میانِ رہگذار

بیبیاں یہہ سب کی سب تھیں غلّہ ذنی اجیا
راہ والوں نی کبھی دیکھا نہ جنکا نقش پا
گاڑیاں گھر میں مگر آفت کا تھا یہہ سامنا
اس قیامت میں سواری کا نہ لگتا تھا پتا
ڈوب ہی جاتیں سواری کا جو کرتیں انتظار

آ گئے آگے مرد بھی ان عورتوں کے سرنگوں
اضطراب و فکر سے ہر ایک کی حالت تھی زبوں
کہہ رہا تھا یہہ ہر اک بی خانماں حیران ہوں
کسطرف لیجا کی ان سب کو بٹھاؤں کیا کروں
ندی بڑھتی ہی چلی آتی ہے یہہ ہی انتشار

اکثروں نی یہہ کیا پایا اگر پختہ مکاں
اس کی جا اسکو بھی لیکن لگ گئے سب آب
سینکڑوں ہی مرد و زن تھی جمع وہا بہر اماں
صحن میں بھرنے لگا پانی ہوا بھر غرقاب
بام پر چڑھ کر لیا ان بیکسوں نی کچھ قرار

اڑا اڑا کر گر پڑا آخر کو وہ سارا مکاں
مثل کشتی کی چلی وہ چھت بہا اُت واں
ہاتھ اٹھا کر کر رہی تھی سب کے سب آہ و فغاں
تا فلک جاتا تھا انکی آہ کا اٹھکر دھواں
چھت زمیں پر آ رہی تا آسماں پہنچا غبار

موت ہی کا سامنا تھا بھاگ کر جسجا گئی
اک نہیں کثرت سی ایسے واقعے پیش آ گئی
جو مکاں پختہ بظاہر تھی وہ سب بہا گئی
سینکڑوں تھی جمع سبھی اُس کی جا پا گئی
بیس تھی گھر کے تو باہر کے بھی آ کر ہزار

نیو بھی سنگین تھی اور دیوار بھی تھی سنگلت — کوہ بھی جسکی بلندی سے نظر آتا تھا پست
جانتے تھے رود موسی کیا بھلا دیگی شکست — یہہ نہ سمجھے تھے کہ یہ سیل بلا اک فیل مست
بوڑھے بچے مرد و زن سب جمع تھے واں بیشمار

توڑ کر دیوار پانی گھر میں آیا ناگہاں — پاس ان آفت زدوں پر چھا گئی اور خوف جاں
گھر گئے چاروں طرف طوفان ہے اب جائیں کہاں — چیخنا رونا بلکنا بیکسوں کا الاماں
لے گیا سیلاب اس ساری مکاں کو ایک بار

اب جو دیکھا ہر طرف تھا جوش زن دریائی قہر — تھی زبان اژدر کی یا ہر نہر سے یا پانی کی لہر
منھ میں ہر ایک لہر کے کف تھا کہ تھا کالا زہر — بہتا جاتا تھا ہر اک جانب سے دریا سوئے شہر
شور موجوں کا کلیجہ سے ہوا جاتا تھا پار

چار پل تھے ایک بھی انمیں نہ آتا تھا نظر — ایک اک نیزہ تھا پانی پل کے اوپر الحذر
پانی پانی ہی نظر آتا تھا تا حد نظر — پاٹ ایسا تھا نہ کچھ دکھلائی دیتا تھا ادھر
بلیوں اونچا نظر آتا تھا ندی کا ابھار

لوگ بہتے آتے تھے کس بیکسی سے آہ آہ — دونوں ہاتھوں کو اٹھائے تھے کہ دیوے کوئی پناہ
مردنی چھائی ہوئی چہرہ پہ اور حالت تباہ — جان جب نکلی بدن سے جب ملی پانی کی تھاہ
مرنے والوں کیلئے ندی بنی آخر مزار

ڈوبتی تھی ماں بچا سکتا نہ تھا اسکو پسر — سامنے ماں باپ کے ڈوبا کبھی لخت جگر
اک نظر سے چھپ گیا اک رہ گیا دم توڑ کر — باپ ماں بھی ہو گئے پھر غرق سیل فتنہ گر

لیگیا گھر بھی بہا کر انکا جوش جویبار

بعض آفت میں گھڑی تڑپا کئے تھے رات بھر — یہ سمجھتے تھے نکل جائینگے ہم وقت سحر
تا گلو آیا جو پانی بڑھ گیا خوف و خطر — چڑھ گئے سب بلکیا اونچا اگر کوئی شجر

اور شجر کو لے گیا سیلاب پھر انجام کار

شب سے پانی کچھ محلوں میں جو آ کر بھر گیا — تا فصیل شہر مضطر ہو گئے گھر کا گھر گیا
ٹوٹنا سیلاب میں اسکا قیامت کر گیا — بہہ گیا اک سیل میں اک ڈوب گیا اک مر گیا

ماں بہہ ڈوبی باپ وہ بچہ بہہ ڈوبا شیرخوار

بیاہے والوں میں تھی اک شب کی عروس نازنیں — تھے حنائی دست و پا افشاں سے رنگی تھی جبیں
ناک میں نتھ کان میں آویزہ دُر ثمیں — دیدۂ بیمار اس بے پردگی سے شرمگیں

موت آخر ہو گئی اس کے گلے کا آ کے ہار

سب اثاث البیت گھر بھر کا تھا ندی میں رواں — صاحب خانہ بھی اسکے ساتھ تھے کرتے فغاں
واسطے پھر کس کے رہجاتا بھلا خالی مکاں — ٹوٹ کر بہنے لگے دیوار و در بھی ناگہاں

جس جگہ اونچی عمارت تھی وہاں گہری ہے غار

سینکڑوں من کی چٹانیں لے گیا پانی بہا
جب بہت ڈھونڈا تو اک کا نشاں آخر ملا
کوہ پیکر ہاتھیوں کا بھی نہیں ملتا پتا
لوگ کہتے ہیں کہ انکا دھڑ جدا تھا سر جدا

موت نے شمشیرِ براں لیکے جو حملہ کیا تھا

ایک شاہی فیل نکلا ہے قریبِ بھونگیر
تھا جو زنجیروں سے پتھر کے ستونوں میں اسیر
ایک مدت تک رہا کرتا تھا جو مست و شریر
بہہ گیا وہ بھی رواں پہنچا جو وقتِ ناگزیر

بہہ رہا تھا سیل میں اسطرح جیسے کوہسار

شورشِ طوفاں نہ تھی قہرِ خدا تھا الکلام
ہوگئے بے خانماں اکثر یہاں کے خاص و عام
موت کو بھولے ہیں جو دیکھیں یہ عبرت کا مقام
کارخانوں کا نہ اب باقی دکانوں کا ہے نام

بچ گئے ہیں جو وہ حیراں ہیں کریں کیا کاروبار

موت سے بچکر نہیں فکرِ معیشت سے مفر
بہہ گیا سب مال و زر کیونکر ہو اب انکی گزر
ڈھے گئے سارے مکاں کچھ شاذ و نادر ہیں کھنڈر
عرصۂ آفاق ان پر تنگ ہے جائیں کدھر

پھر رہے ہیں سینکڑوں بے خانمان و دیار

یا الٰہی رحم فرما تیرے بندے ہیں تباہ
فضل سے اپنے بتا دے انکو کوئی نیک راہ
کسطرح ان بیکسوں کا خلق میں ہوگا نباہ
بے نواؤں کے لیے بس ہے تو ہی پشت پناہ

حیدرآباد دکن ہے تیری رحمت کا جوار

تو نی بخشا ہی ہمیں وہ بادشاہ خوش سیر
دی تسلی اُس نی ہم سب کو ہراساں دیکھکر
جسکے اوصافِ ہمایوں سی ہی ڈہارس بسر
ہوگیا اپنے رعایا کیلئے سینہ سپر
ای خدا قائم رہے سر پہ ہمارا شہریار

اپنے ایوانِ معلّی کر دیے خالی تمام
ہوگیا ساری رعایا کیلئے یہہ حکم عام
خانہ بربادوں کی رہنے کا وہاں ہی انتظام
دو ہماری خوانِ نعمت سی انہیں آب و طعام
صرف ہوتی ہے خزانہ سی رقم اب بیشمار

حکم حضرت سی دو ماہہ کی ہوئی تقسیم عام
لیں اپہنے کو لباس اور پیٹ بھر کھائیں طعام
جا بجا بہرِ مساکیں شہر میں ہی انتظام
رہتا ہے دیکھو کوئی خلقِ خدا میں اہتمام
میر محبوب علی خاں پر نہو کیوں جاں نثار

ای ہمارے بادشاہ سو جاں سی ہم تجھپر فدا
تو ہی ظلّ اللہ تیرا ہمیشہ سایہ ہے ہُما
کشتیِ ملکِ دکن کا تو ہی بیشک ناخدا
کون ہمدردی بھلا کرتا ہی ایسی مرحبا
ہم مکافاتِ گناہ میں اور تو ہی اشکبار

فی الحقیقت چھا گیا تھا خلق پر فسق و فجور
گھٹ گئی تھی راست بازی بڑھ گیا تھا مکر و زور
قہرِ ربانی سی غافل بادۂ نخوت سی چور
معصیت پر سب کو اصرار اور عقاید میں فتور
خوابِ غفلت میں گزرتی تھی انہیں لیل و نہار

اب تو اس عبرتکدے کو دیکھکر ہوشیار ہو ۔ خواب غفلت میں رہے ہوں ذرا بیدار ہو
بیکسوں کی دستگیری کیلیے تیار ہو ۔ چارہ جوئی چاہیے ہے گر کوئی ناچار ہو
بس انہیں باتونمیں ہی خوشنودیِ پروردگار

آہ اتی یا ور یہ طوفان کیا قیامت خیز تھا ۔ دب کے اپنے ہی مکانونمیں ہوئی اکثر فنا
رہگئے سوتے ہی کتنے سوتے گرفتار بلا ۔ بعض کی لاشیں نہ نکلیں خاک سے وا حسرتا
ہوگئے اُنکے مکاں خود واسطے انکے مزار

رباعی

سلطانِ دکن جہاں میں آباد رہیں ۔ دشمن پامال دوست سب شاد رہیں
بیواؤں یتیموں پہ کرم کی ہے نظر ۔ ہر رنج والم سے آپ آزاد رہیں

رباعی

دولت کو لٹانا اس کا ارمان رہے ۔ ہم چشموں میں اعزاز رہے شان رہے
غیروں کو دی رہی ہے چندے تو قوم ۔ ہم بھی ہیں مستحق ذرا دھیان رہے

ترکیب بند

اٹھا سایہ پدر کا رہگئے ہم نیم جاں ہو کر ۔ بھلا ہوگا کوئی سن لے ہماری مہرباں ہو کر
سنے کوئی تو اپنی داستانِ غم سنائیں ہم ۔ کہ کر دیتی ہے دل ہلکا مصیبت کچھ بیاں ہو کر

اثر ہوا نہ ہوا یہ آپ سے شکوہ نہیں ہم کو
ذرا دل دیکھیے سنیے آرزو اتنی ہی رکھتی ہیں
نہیں گر خوف ہے تو کوکب بخت سیہ کا ہے
نشانہ سامنے کس طرح اس گردش میں ٹھہریگا
پلٹ آتی ہیں آہیں اپنی گنبد کی صدا ہو کر
ابھی تک مشت خاک سے باقی پھر نہ پاؤ گے
ہمارے سر پہ یہ بادل نہیں گرد یتیمی کا

مگر ہاں گوش سے آپ سن لیں ہیچ داں ہو کر
چلے جائینگے اس کوچہ سے پھر ہم شادماں ہو کر
زمیں بھی جب سے چکر کھا رہی ہے آسماں ہو کر
خدنگ آہ پھر کیونکر لگائیں ہم کماں ہو کر
جلاتا ہے ہمیں یہ کوہ غم آتش فشاں ہو کر
ہوا میں منتشر ہو جائیگی جب یہ دھواں ہو کر
ہمارا رخت ہستی اڑ گیا ہے دھجیاں ہو کر

یتیموں کی خبر لینے کو اے صاحب دلو اٹھو
تم ان صاحب دلوں کا ساتھ دو اے غافلو اٹھو

کبھی ماں باپ کی آغوش پر گویا حکومت تھی
نہ آنکھوں نیند آئی اک ذرا بے چین گر دیکھا
چلے جب گھٹنیوں ماں نے سدا زیر نظر رکھا
ہمیشہ ناز برداری ہماری دل سے کرتے تھے
ہماری واسطے انا کھلائی اور دوا رکھی
کبھی آغوش مادر اور کبھی زانو پدر کا تھا

سدا ہم پر خدا کی دی ہوئی ان میں محبت تھی
نہ سوئی رات بھر جاگا کیے ایسی جو الفت تھی
چلے پیروں تو پھر ہر دم پدر کی چشم الفت تھی
انھیں شکوہ ہمارا تھا نہ کچھ ہمکو شکایت تھی
انہوں نے بچپنے کا دھیان تھا کیا انکی شفقت تھی
ابھی تک یاد ہے ہمکو جو اپنی شان شوکت تھی

ابھی تھا بچپنا سر سے اٹھا جو باپ کا سایہ
وہ انکی موت یا ہم یتیموں کی قیامت تھی

ہوئی نادار و مفلس چند ہی مہ اور کی قسمت
نہ دولت تھی نہ ثروت تھی نہ شوکت تھی نہ حشمت تھی

اثاثہ گھر کا جو تھا بیچکر چندے بسر کرلی
بکا جب گھر پھری در در مصیبت پر مصیبت تھی

تمہاری دستگیری نے ہمیں اب کچھ بچایا ہے
ہمیں بیت الیتامی میں مقدر لیکے آیا ہے

ہماری باپ اب آپ ہیں اسکا یقیں رکھیے
ہم اب وابستہ دامن ہیں اسکے دل نشیں رکھیے

ہمیں مشرق میں رکھیے آپ یا مغرب کے ملکوں میں
ہماری یاد لیکن اک فرا دل کی قریں رکھیے

ولایت آپکی ہے تابع احکام والا ہیں
رہینگے ہم خوشی سے آپکی مرضی جہاں رکھیے

پسند خاطر اقدس اگر ہے لکھنؤ اچھا
مطیع حکم والا ہیں بہت بہتر وہیں رکھیے

شکستہ دل بہت ہیں خرچ سے ٹوٹی کمر انکی
مناسب ہے کہ پاس خاطر اندوہگیں رکھیے

گھٹا جاتا ہے دم اتنی یتامی اور مکاں چھوٹا
نتیجہ اسکا کیا ہوگا نظر انجام بیں رکھیے

ہماری کارفرما کیا کریں جب فنڈ خالی ہو
تصور انکا ہے کیا الزام سے انکو نہیں رکھیے

ہمارا بار ہے اور دوش ہے حضرت سلامت کا
جو ہم سے پوچھیے تو ہم یہ کہدینگے یقیں رکھیے

قریب شیعہ کالج ایک بنجائے مکاں اپنا
ٹھکانہ اس سے بہتر ہوگا دنیا میں کہاں اپنا

علوم دین و دنیا سے کریگا باخبر ہمکو ۔ غرور جہل کے پھندے سے یہ ہم کو چھڑائیگا
پڑھینگے سائنس اور صانع کی قدرت پر نظر ہوگی ۔ پڑھینگے فلسفہ نور بصیرت جو بڑھائیگا
یہی کالج کریگا شہرۂ آفاق عالم میں ۔ یہی کالج تو راہ راست پر ہم کو لگائیگا

رہ گم گشتہ کا یہ خضر ہے اسکو یقیں سمجھو
ملیگا پھر نہ ایسا رہنما دیکھو یقیں سمجھو

بہک جاؤں نہ پھر اک جام دو یا ساقی کوثر ۔ کہ جسکو پیکے یاد آجائے پھر بھولا ہوا دفتر
ملا مضمون تیمیوں کا چلے تم شیعہ کالج کو ۔ کچھ اپنے فرض سے تم ہٹ گئے ہو آج ای برادر
لئے حب علی بچپن سے میں تو پینے والا ہوں ۔ اگر کچھ لڑکھڑاؤنگا تو کہہ اٹھونگا یا حیدر
زباں پر نام آتے ہی سنبھل جاؤنگا قوت سے ۔ کہ میرے خون کے ذروں میں اب تک ہیں جوہر
دلا ساقی کی رگ رگ میں حیات جاودانی ہے ۔ رگوں میں دوڑتی پھرتی ہے مئے تو لہو بنکر
کرم سے اپنے ساقی کے بھلا محروم میں ہونگا ۔ ملا جام ولا وہ اور ہی لو ہوگئے تیور
یتیموں کا ابھی ساقی کے اب کچھ حال لکھتا ہوں ۔ کہ کیا گزری ہے انپر بعد قتل سبط پیغمبر
انہیں کے واسطے کل آیۂ تطہیر آیا تھا ۔ وہی بلوے میں ہیں دشت بلا کے آج ننگے سر
کسی کے آہ وہ دست ستم اور کیا قیامت ہے ۔ کسی کے کان کے بندے کسی کے دوش کی چادر

ترس آیا نہ آل مصطفے پر کیا مسلماں تھے

یتیموں پر بھی رحم آیا نہ اُنکو دشمن جاں تھے

غرض وہ تین اُنکا پھوپھی سے چھوٹنے کا جانا — وہ سایہ سر سے اُٹھنا باپ کا وہ رنج و غم کھانا
کہاں وہ دھوپ دشت کربلا کی حشر کا عالم — طپش سے آفتاب گرم کی وہ رنگ سنولانا
وہ اُنکی بیکسی اُتری ہوئی چہرونکی وہ حالت — وہ جلنا اُنکے خیموں کا وہ گھبرا کر نکل جانا
لپکنا آگ کا کرتہ کسی کا وہ پکڑ لینا — وہ اُسکا دوڑنا گھبرا کے شعلہ کا بھڑک جانا
جھپٹنا پھر کسی ملعون کا اوپر بھیڑیے سے — اُٹھانا گود میں اُس طفل کا سینہ سے لپٹانا
وہ جانا قافلہ کا کربلا سے شام کیجانب — برہنہ پشتوں پر بیکسوں کا آہ وہ بلبلانا
یتیموں کو اذیت ہر طرح کی راہ میں دینا — کسی کا دیکھنا سر باپ کا اور گود پھیلانا
کسی دربار میں وہ داخلہ ہونا یتیموں کا — کسی کا سامنے وہ تخت کے اک اک کو بلوانا
کسی ظالم کا لانا تازیانہ قید خانہ میں — وہ [illegible] بچوں کا مارے خوف کے اُسوقت تھرانا

یتیمی ایک آفت ہے یتیمی اک قیامت ہے
نہ ہونا باپ کا سایہ مصیبت ہی مصیبت ہے

کئی سو سال سے انکو ہے تب تک آفت ہی آن پر — بنائی تھے عمارت انکو دیواروں میں چنوا کر
کہاں شفقت سے ظالم کس طرح اُنکے پیہ ہوتے تھے — عدو کیا رحم کرتے جنکی طینت میں تھا شور و شر
ہوائے دہر نے افسوس اُسکو کر دیا روشن — جو چنگاری عداوت کی دبی تھی زیر خاکستر

نہالانِ چمن کسکی ہیں دیکھیں غور تو کر لو | تمھیں سمجھو اسی آخر تمھارا ہی گلستاں ہے

یتیموں کی جو تم محسن نہ ہوگے کیا برا ہوگا
بھلائی ان یتیموں کی جو چاہو گے بھلا ہوگا

قومی نظم

لوگ کہنے کو کہا کرتے ہیں دولت چاہیئے | قوم کی اصلاح کو دل اور ہمت چاہیئے

صاحبِ ثروت نہوں کچھ منچلے عشاق ہوں | چاہیے کچھ دردِ دل کچھ پاسِ ملت چاہیئے

چاہیے دل ہمکو معراجِ ترقی کے لیے | اس سند کو کیا بھلا مہر نبوت چاہیئے

دوسری قومیں پہونچنے ہی کو ہیں منزل پہ آ | ہم رہے جاتے ہیں پیچھے اسکی غیرت چاہیئے

کون تھے اسلاف اپنے اور کیسے رہنما | خون کسکا ہے رگوں میں کچھ حمیت چاہیئے

نام لیوا کس کے ہیں کچھ لاج ہے اسکی ضرور | شرم ہمکو چاہیئے دل چاہیئے ہمت چاہیئے

کس نظر سے دیکھتی ہیں دوسری قومیں ہمیں | اس سے بڑھکر اور بھی کیا ہم کو ذلت چاہیئے

چشم پوشی کیوں کریں اپنی نہیں وہ غیر ہیں | مضحکہ ہوتا ہے کیسا ہم پہ غیرت چاہیئے

خود ہماری کاہلی نے کر دیا ہم کو ذلیل | اپنی ہاتھوں اور کچھ اپنی حقارت چاہیئے

گر کے نظروں سے ابھرنا ہو گیا مشکل کہیں | اس سے گہرا اور کیا قعرِ مذلت چاہیئے

ہے عجب درماندگی میں آج اولاد رسولؐ — ہم کو غفلت چاہیئے یا پاس عزت چاہیئے

اُمت محبوب حق ہوکر یہ ہمکو نا رہے — پھر نہ کیا اولاد سے انکی محبت چاہیئے

ٹھوکریں کھاتے ہیں در در کوں اپنے نور عین — غور سے دیکھو ذرا چشم بصیرت چاہیئے

دیکھنا ہیں جایئے دار الیتامی دیکھیئے — گر نگاہ اعتبار و چشم عبرت چاہیئے

ہیں گلستان سیادت کی یہ کمسن نونہال — ان کی خدمت چاہیئے ان پر ریاضت چاہیئے

کیا ہیں احکام الہی کیا ہے ارشاد رسولؐ — ان یتیموں کے سر پر دست شفقت چاہیئے

حق صریح کسکا ہے کہنے ذوی القربیٰ کے بعد — پھر تو مسکیں بھی ہیں انپر فرط رحمت چاہیئے

ان کی تعلیمی مصارف انکے اخراجات سب — ہیں تمہارے دوش پر اور تمکو ہمت چاہیئے

اس کا اندازہ تو کر لو اور سمجھو مہرباں — غیر کیوں دینگے مدد اسکی تو غیرت چاہیئے

شرم ہے اغیار سے کیوں طالب امداد ہوں — فضل خالق چاہیئے اور اپنی قوت چاہیئے

آپ ہم اپنی مدد کے واسطے تیار ہوں — پھر خدا کی بھی مدد ہوگی عقیدت چاہیئے

سیکھنا کیا ہے انکو اسکو پہلے دیکھ لو — کیا لیاقت چاہیئے کیا قابلیت چاہیئے

علم و فن جتنے ہیں انمیں سے یہ بچوں کی نہیں — صنعت و حرفت میں بھی انکو مہارت چاہیئے

شامل ایسی ملیں [illegible] تا بہ بحر و بر — اسلیے علم ریاضت اور مساحت چاہیئے

شہرہ ہو [illegible] بعد اُنکے علم کا — ملک میں یورپ کا بھی جاکی شہرت چاہیئے

دوسرونکی کام آئیں ہم بہت آسان ہے
چکنے چپڑے قوم کے افراد سی مطلب نہیں
دی خدا نے عقل اور ہم کام اس سی کچھ نہیں
کر دکھانا چاہئی کچھ وقت ہے وہ آرگا
ڈوبتی ہے قوم کی کشتی خدا کیواسطے
یہہ تو سمجھو تم بھی اس کشتی پہ آخر ہو سوار
پھیر لینا آنکھ کا انجام نیکی سی ہے دور
زندگی تمکو دن کی ہے لازم ہی عقبیٰ کا خیال
مال دنیا سی ملا بھی گر تو بس دو گز کفن
تم یتیموں کے لیے تعمیر کر دو یہاں مکاں
دو یتیموں کو سدا کرتے رہو ایثار نفس
یہاں یتیموں کو بنھانا چاہئی تمکو لباس
چاہتے ہو رتبہ السابقون السابقون
پرورش انکی کرو جو ہیں یتامی شیر خوار
غرض دنیا میں اور عقبیٰ میں ہی اس سی فلاح

نفس اتارہ پہ بس تھوڑی سی قدرت چاہیئے
اچھی صورت کیا کرینگی اچھی سیرت چاہیئے
کیا مناسب ہی یہی کفران نعمت چاہیئے
کیا سوا عظ چاہئی اب کیا نصیحت چاہیئے
ناخدا بنجاؤ سنبھلو تم کو ہمت چاہیئے
کیا تمھارا فرض ہی کیا در حقیقت چاہیئے
کام آؤ قوم کی چشم مروت چاہیئے
چار دن کیواسطے کیا شان و شوکت چاہیئے
یادگار کو زمیں کچھ بہر تربت چاہیئے
تم کو عقبیٰ میں اگر ایوان جنت چاہیئے
لو اگر خلد بریں کی تم کو نعمت چاہیئے
وہاں اگر استبرق و سندس کا خلعت چاہیئے
تو مدد کرنی میں انکی تم کو سبقت چاہیئے
ساغر کوثر اگر بالطف و لذت چاہیئے
قوم کی خدمت پہ تم کو دل سی رغبت چاہیئے

قوم کے یاور ہیں یاور کی ہی یہہ آرزو — کچھ توجہ اسطرف عندالضرورت چاہیئے

سلام

لبِ کوثر نظر وہ جانب ساغر اٹھاتے ہیں — جو پہلے خاکپای ساقی کوثر اُٹھاتے ہیں

قلم مہر ثنا ہم یا علی کہکر اُٹھاتے ہیں — تو بامِ عرش تک مضمون عالی اُٹھاتے ہیں

نہ اٹھینگے تمھاری آستانے سے یا علیؑ ہم تو — گدائی بینوا اس در کی بستر اُٹھاتے ہیں

فروتن ہو اگر تم چاہتے ہو خلق میں رفعت — وہ نیچا دیکھتے ہیں کبر سے جو سر اُٹھاتے ہیں

جو حاسد ہیں وہی داد سخن میں بخل کرتے ہیں — سمجھتے ہیں کہ ہم کیسے سے اپنے زر اٹھاتے ہیں

مرقع حیدر کرار کا آنکھوں میں پھرتا ہے — سوئے میداں عناں کو جب علی اکبر اٹھاتے ہیں

حرم سے آخری رخصت کو آئے ہیں شہ والا — ہمک کر گود میں بانو کی صغرا اُٹھاتی ہیں

جگر جلتا ہے یاد تشنگی شاہ عالم سے — جو آب سرد کا ہم ہاتھ میں ساغر اٹھاتے ہیں

ستایا جب سکینہ کا [illegible] فرمایا — مدینہ سے اب اس کشتی کا ہم لنگر اُٹھاتے ہیں

کہا شہ نے نہ دیکھا ہوگا ایسے دور میں تم نے — ٹھہر جا ای فلک ہم لاشۂ اکبر اٹھاتے ہیں

انھیں پامال ہوجاتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا ہے — جو شکلِ سبزۂ نوخیز اپنا سر اُٹھاتے ہیں

ملک کہتے ہیں یہی ناخدائے کشتیِ امت — جو عابد راہ میں زنجیر کا لنگر اُٹھاتے ہیں

عدو کس طرح کرتے ہیں شہِ والا کی مہمانی
کبھی نیزہ لگاتے ہیں کبھی خنجر اٹھاتے ہیں

جگر سے علقمہ کا پانی پانی شرم کے مارے
مصیبت تشنگی کی شاہ بحر و بر اٹھاتے ہیں

بہت ہم چاہتے ہیں ضبط غم لیکن نہیں سکتا
قلم رکھتے ہیں اکثر ہاتھ سے اکثر اٹھاتے ہیں

حرم چہرے چھپا لیتے ہیں اپنے شرم کے مارے
جھکے ہیں شرم سے سر سے نہیں اوپر اٹھاتے ہیں

حرم کو بہر ذلت اک بھرے دربار میں لے کر
بٹھاتے ہیں سبھی سر سے وہ چادر اٹھاتے ہیں

ضعیفی میں جواں بیٹے کا مرنا اک قیامت ہے
کلیجہ تھام کر شہ لاشۂ اکبر اٹھاتے ہیں

کہا با خوف زینب سے عدو خیمہ میں جب آئے
نہیں معلوم کیا فتنہ محشر اٹھاتے ہیں

کبھی اکبر کا غم ہے اور کبھی اصغر کا ماتم ہے
ہمارے واسطے کیا کیا الم سرور اٹھاتے ہیں

صدف ہے چشم ورلا ہے اشک کے قطرے
ملک مجلس میں آ کر عرش سے گوہر اٹھاتے ہیں

چلو اب روضۂ شہ کو بس وہی آرام کی جا ہے
بہت اب ہند میں تکلیف ای تاوید اٹھاتے ہیں

سلام

بپاس خاطر پر نظر اہل نظر رکھتے ہیں
دل میں دشمن کی بھی حالت کی خبر رکھتے ہیں

نکتہ چینوں کا نہ بدخواہ کا ڈر رکھتے ہیں
گو نہ دولت ہے نہ ہم کوئی ہنر رکھتے ہیں

سلام

چشم سے اشکِ غمِ شہ میں تڑپ کر نکلے
یا صدف میں درِ غلطاں تھی کر باہر نکلے

جنگ کو حضرت عباس سے دلاور نکلے
کر علم لے کے علیؑ جانب خیبر نکلے

میرے اشکوں کے مقابل وہ بھلا ہو تو سہی
قعر دریا کو ذرا چھوڑ کے گوہر نکلے

شبِ عاشور قیامت کی عیاں تھی آثار
جھلملاتے ہوئے جب چرخ پہ اختر نکلے

یوں برآمد ہوئے سر خیمۂ زنگاری سے
دامنِ کوہ سے جیسے شہ خاور نکلے

آرزو ہے تو یہی ورنہ نہیں موت سے خوف
روح نکلے تو در شاہ پہ جا کر نکلے

ضرب حیدر کا فرشتوں پہ اثر ہے اب تک
کوئی جبریل سے پوچھے تو کہ شہپر نکلے

جو جیں بھاگیں تو کہا ماہِ بنی ہاشم نے
جنگ کو اب پسر سعد بد اختر نکلے

قتل اعدا سے ہوئی کند نہ شہ کی تلوار
اور بھی تیز ہوئی اور بھی جوہر نکلے

جنگ کی راہ کھلی نہر میں اترے تشنہ
پھر کو شکستہ علمدار دلاور نکلے

اشکِ غم کا ہے جو رتبہ وہ اگر ہو معلوم
ڈھونڈھتے آب بقا کو نہ سکندر نکلے

طفلِ اشک اپنے مچلتے ہیں کہ لڑ کر دیکھیں
کہیں آغوش صدف سے کوئی گوہر نکلے

شمع داری سے اسی میں یہ ولی کہتے ہیں
جان نکل جائے نہ کینہ سے مگر زر نکلے

ہم گنہگاروں کی بخشش کو بڑی رحمت حق
بخشوانے کیلئے جب علی اصغر نکلے

بوسے عباسؑ کے شانوں کیلئے حیدرؑ نے ۔۔۔ نہر سے آپ جو منصور و مظفر نکلے
ہوئی میدان میں نمایاں شب روز محشر ۔۔۔ جب حرم خیمۂ اطہر سے کھلے سر نکلے
کہا باقرؑ نے کہ بدلہ تو بنا لوں تجھ کو ۔۔۔ کوئی ارمان تو میرا علیؑ اکبرؑ نکلے
فوج اعدا کو بھگا کر یہ کہا اکبرؑ نے ۔۔۔ جنگ کے واسطے اب قائد لشکر نکلے
نکلے انصار کو شہ لیکے وطن سے جسطرح ۔۔۔ گل سے بو یا چمنستاں سے گل تر نکلے
ماں نے لیں عونؑ محمدؑ کی بلائیں بس پر ۔۔۔ دونوں شہزادے جو گھوڑوں پہ برابر نکلے
فیض سے نظم کی ہو نظم میں شہرہ اپنا ۔۔۔ قدرداں کوئی زمانہ میں جو بیادر نکلے

سلام

عارض اکبرؑ خوش رو کے مقابل ٹھہرے ۔۔۔ اک ذرا سامنے اگر مہ کامل ٹھہرے
آکے کوفہ سے ستمگر لب ساحل ٹھہرے ۔۔۔ جلتی ریتی پہ عطش میں شہ عادل ٹھہرے
تھے جو سادات نہ حضرت کے مقابل ٹھہرے ۔۔۔ سامنے تیغ کے ٹھہرے بھی تو بسمل ٹھہرے
دھو گئی نامۂ اعمال زبوں اشکوں نے ۔۔۔ نقش بر آب ہوئے سب خط باطل ٹھہرے
دست حرص بھی دنیا میں ہے کیا نامحدود ۔۔۔ نذر کے پائی طلب گر کف سائل ٹھہرے
شاہ کہتے تھے دعا کر لوں پئے امت جدؐ ۔۔۔ رگ گردن پہ اگر خنجر قاتل ٹھہرے

شک نہیں الحق عزیزمیں ذرا
مصرعۂ تاریخ آورد نے لکھا

پند ہے لیکن مآل دوستی
لقمۂ شیریں ہے پنہاں دوستی

۱۳ ۲۶

قطعۂ تاریخ

مثنوی لایق کی یہہ بے مثل ہے
موتیوں میں تولیے ہر لفظ کو
اس کا ہر اک شعر ہے مثل صدف
قوم کو لایق نے یا درِ بے نظیر

اس میں ہیں پہلوئے معنی و بیاں
ہے یہہ گنجینہ گہر کا بے گماں
صاف ہے جس میں درِ معنی عیاں
مثنوی پند وہی ہے دُر فشاں

۱۳ ۲۶

قطعہ

ساتویں تیر کا سہ شنبہ دن
سنے دیکھا کہ دیکے اک اعلان
تھے بہادر جو دوست گھبرائے

نام جس میں ضیا نے گوڑ دیا
رشتۂ اتحاد توڑ دیا
نام لکھنے میں یاد چھوڑ دیا

۸ ستمبر سنہ ۱۳۱۵

سلام

علیؑ مرتضیٰ نے ہمیشہ سب جو مرتبہ پایا
وہ رتبہ کب کسی نے جز رسول کبریا پایا

ولائے مرتضیٰ حاصل ہوئی قرب خدا پایا
ملائک کو بھی غبطہ ہے وہ ہمنے رہنما پایا

علیؑ نے رتبۂ اعلیٰ جو پیش کبریا پایا
کسی نے خلق میں پایا تھا ایسا بھی بھلا پایا

حُرؑ غازی نے راہ حق پہ آکر کیا صلہ پایا
ملی جنت بڑھا اعزاز قرب مصطفےٰ پایا

ہمیں اشکال میں آسانی ہیں کرنا فرق مشکل تھا
خدا کے فضل سے ہمنے عجب مشکلکشا پایا

جناں کا نام سنتی ہیں یہ آنکھوں نے نہیں دیکھا
مگر ہاں سرزمین کربلا سے کچھ پتہ پایا

تجھے دنیائے دوں کی حرص نے بالکل فنا کیا تھا
مگر اچھا مقدر تو نے حرؑ باوفا پایا

ہمیں اعمال بد روکینگے کیا جنت میں جانے سے
ہمیں کیا خوف جب ہمنے علیؑ سا پیشوا پایا

حسینؑ ابن علیؑ نے جو شہادت سے کیا حاصل
کوئی کہدے یہ رتبہ کس نے پیش کبریا پایا

قدم ہے قائم آل نبی کا دین کا لنگر
جہاز امت عاصی نے کیسا ناخدا پایا

ثنا میں آل احمد کی اگر اک بیت بھی کہدی
قبالہ مل گیا قصر جناں کا یہ صلہ پایا

وفور تشنگی میں تیر سے اصغرؑ ہوئے بیجاں
نہ مرتے وقت بھی افسوس قطرہ آب کا پایا

جہاں میں دوست کم ملتے ہیں یا دو دشمن اکثر تو
جسے دیکھا اُسے اپنی غرض کا آشنا پایا

قطعہ

انبہ بھیجے مرے آقا نے مجھے
نام نامی جن کا ہی بہرام جنگ
چکھنے سے سورِ الطاف ہو ب
انبہ بھی کس درجہ ہیں یاور لذیذ
زینت کلپاک ہے بلقیس باغ

کون آقا جس پہ ہوں دل سے نثار
جسکے ہیں احسان مجھ پر بے شمار
فیض سے جسکے رہا ہیں کامگار
نغز اور پُر مغز شیریں خوشگوار
یہہ ثمر ہیں حاصلِ فصلِ بہار

اپنے آقا کے کرم سے خلق میں
آج یاور کو ہے عز و افتخار

تاریخ سرفرازی بعہدہ جلیلہ صدارت عظمیٰ بمرتبہ دوم رئیس اعظم عالیجناب معلی القاب مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر دام اقبالہ

چوں دوبارہ صدر اعظم شاد گشت
مصرعِ تاریخ یاور نذر کرد

حاسدان را از حسد شد رنج و غم
سر یمین السلطنت صدر الاعظم
۱۳۳۶ ف

مصرع تاریخ تولد فرزند ارجمند جناب مولوی
محمد عبد اللہ یوسف علی صاحب صدر المہام مال

یاور ہماری کان میں پہنچی جو یہ خبر
ہمنے بھی صاف مصرع تاریخ کہدیا

صدر المہام مال کو حق نے دیا پسر
والا شکوہ قوت دل پارہ جگر
۱۳۰۴ھ

تاریخ وفات دختر مکرمی سید فضل حسین صاحب وکیل
ساکن پہبنی مرحومہ کا تاریخی نام بھی میاں نے
ہی رکھا تھا

بیٹی فضل حسین کی تھیں جو
جینے مرنے کی ہے یہ تاریخ

بیوی زبیدہ کی حور فردوس
ا نورِ خاتون نورِ فردوس
۱۳۰۶ ۱۳۱۹ ع

میرے دو بھتیجے اور دو بھتیجیوں کی آپس میں
شادیاں ہوئیں اور میں نے تاریخی خطاب

پرنور دانہ دلہن دیا اہلِ بصیرت کو کا تعمیہ کریں
تو ہجری اور فصلی دونوں سے اس ایک
خطاب سے معلوم ہو جاویں گے

مری بیٹی ہیں دو اور بھتیجیاں دو ہیں
تو ساف یاور خوش فکر ہے خطاب

خدا کے فضل سے جب شادیاں ہوئیں جو دو بیاہ
سنین فصلی و ہجری کا جس سے ہو گا شمار

خطاب ایک سے جمہوری و معنوی و بہیا
ملا دو لفظ دلہن سے جو لفظ ہے خودار

۱۳۱۰ ف

۱۳۱۸ ھ

۴۸۶

حصۂ دوم

غزلیات

مجھ سے برگشتگیٔ بخت جدا ہو کیونکر — خضر کی طرح کوئی راہ نما ہو کیونکر
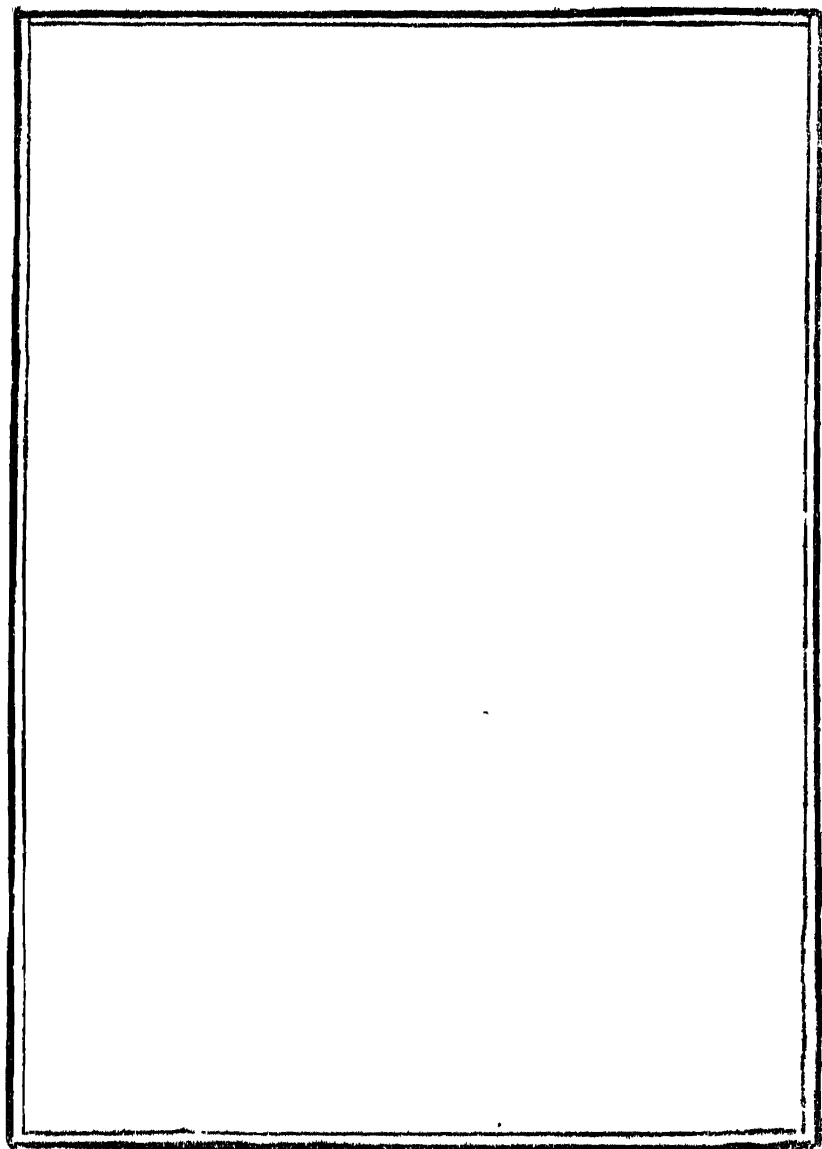
جب برائی پہ ہو تقدیر بھلا ہو کیونکر — پھر موافق کوئی تدبیر بھلا ہو کیونکر

شکوۂ ظلم و تعدی و جفا ہو کیونکر — با وفا ہوں نہ مجھے پاس وفا ہو کیونکر

خوبرو یونسی بھلا مہر و وفا ہو کیونکر — فکر انکو تو یہہ ہے جور و جفا ہو کیونکر

ناز و انداز سمجھتے ہیں اگر ظلم و ستم — تو حسینوں سی بھلا مہر و وفا ہو کیونکر

انکے وعدوں کو میں سچ مان لیا کرتا ہوں — قلب مضطر کو سکوں اسکے سوا ہو کیونکر

خاک نے صاف ہو پہونچے جو کسی دست سے رنج — آئینہ میں جو پڑے بال جدا ہو کیونکر

صاف باطن ہو تو کینہ نہیں رہتا دل میں — زنگ آلود اگر ہو تو جلا ہو کیونکر

جادۂ علم و عمل ہمکو بتائے کوئی دن — ہم نہ چاہیں تو کوئی راہ نما ہو کیونکر

نعمتیں حق کی تو اتنی ہیں نہیں جنکا شمار — شکر اس منعم دوراں میں ادا ہو کیونکر

بدر خود مقتبس حسن تھا دو ہفتہ تک — تو مقابل ترے ایسا مہ لقا ہو کیونکر

غیر کا آپ بھی محتاج ہے تو اے منعم — تو جو دے صاحب حاجت کو بھلا ہو کیونکر

آنکھ کے پردے تو موسیٰ نے اٹھائے ہوتے — جو ہو محجوب وہ پھر جلوہ نما ہو کیونکر

میری الفت کا یقیں تو نہیں آتا تم کو — تم بتا دو کہ کوئی تم پہ فدا ہو کیونکر

امرء القیس غنیمت کا ستائش گر تھا — اس سے خوبی کی تری مدح و ثنا ہو کیونکر

لاکھ غلطاں ہو غلطاں رہی کیا ہوتا ہے — تیرے دنداں کی طرح اس میں جلا ہو کیونکر

فیض سے نظم کے جب تو شفا اندوز ہوا
پھر طبیعت تری یاور نہ رسا ہو کیونکر

غزل

اوروں میں اگر چاہنے والے ہوتے
ظلم پھر آپ کے دنیا سے نرالے ہوتے

نگہ شوق نے ارمان نکالے ہوتے
دُہرا آنچل جو وہ سینہ پہ نہ ڈالے ہوتے

بوجھ اُٹھانا تھا یہ مشکل کمر نازک سے
پاؤں کھینچے وہ جو نہ ہاتھوں سے سنبھالے ہوتے

اپنی کملی میں بسر ہوتی ہی کیا بے کھٹکے
سینتا کون اگر پاس دوشالے ہوتے

تیر اپنے مری پہلو سے جدا تم نے کیئے
کاش ارمان دل زخمی کے نکالے ہوتے

تو نے گرتی ہوئی آنچل کو سنبھالا تو کیا
یہ جو اُٹھتی ہوئے فتنے تھی سنبھالے ہوتے

بدگمانی تری آئینہ پہ ہوتی ہی مجھے
آتش رُخ کو نہ چھوتا تو نہ چھالے ہوتے

رہ گیا لوٹ کی تو ای دل مضطر یہ کیا
کسی پہلو سے تو ارمان نکالے ہوتے

برف میں رکھنی کی شیشوں کو نہ حاجت ہوتی
سرد مہری سی جو زاہد کی یہ چھالے ہوتے

ترا کوچہ جو نہ ملتا تو عبث تھی زینت
چادریں قبر پہ ہوتیں کہ دوشالے ہوتے

قید جب بلبل شیدا کو کیا تھا صیاد
چار پھولوں کے قفس پر تو ڈالے ہوتے

جھلکی دکھلا کے سر بام سرک جاتے آپ
یار گر دل سے نہ عشاق کے نالے ہوتے

درد گردن کا نزاکت کو نہ ہوتا شکوہ
ہار پھولوں کے گلے میں جو نہ ڈالے ہوتے

صاف ہیں بدر تری عارض تاباں ای ماہ
بالے نچاتے اگر کان میں بالے ہوتے

سوز غم سے وہ جلا ہوں جو مجھے کرتا قتل
اے ستمگر تری تلوار پہ چھالے ہوتے

مورد شکوہ احباب نہ تم ہو جاتے
تمنے ارمان جو یاور کے نکالے ہوتے

غزل

سیہ بختی مجھے گھیرے ہے کیونکر دل کو تاب آئی
شب تاریک میں ممکن نہیں وہ آفتاب آئی

تجھے ہم ڈھونڈھتے محشر میں باحال خراب آئی
گریباں چاک دل تھامے ہوئے پر اضطراب آئی

لب ساحل پہ تڑپے تھے جب ان کا ہوش آیا
ٹھہریں موجیں کبھی آنکھیں بچھانے کو حباب آئی

کتابہ میری مرقد کا بنا دینا اسے یارو
جو میری لیے اسکے پاس سے خط کا جواب آئی

خدا کے سامنے سچ کہنا ایسی انکھ تیری ہو
جو میرے نام سے تجھ کو سر محشر حجاب آئی

تری رحمت کا اور میرے گناہوں کا ہوا اندازہ
دعا کرتا ہوں میں جلدی کہیں روز حساب آئی

دل پر داغ کو نکلا ہے نالہ حسرتیں لیکر
سوا نیزہ پہ اب دیکھیں تو کیونکہ آفتاب آئی

ابھی سے لیکے بچپن کی ادا مر جان لیتی ہیں
نہ جانے کیا قیامت ہو اگر عہد شباب آئی

نہ سمجھے منزل مقصود دنیا کو جو عاقل ہے
سرائے دہر میں جو آئی وہ پا در رکاب آئی

خیال یار نے تل بھر جگہہ باقی نہیں رکھی
مری دل میں خیال غیر کیونکر ای جناب آئی

دکھا دیں شمع محفل کو کدھر جاتا ہی پروانہ
خدایا آج اپنی بزم میں وہ بی‌نقاب آئی

مری آنکھوں نیں سرتاپا کھبی ہی آپکی صورت
جگہہ باقی نہیں ہی غیر کی کسطرح خواب آئی

جو قصد بادہ نوشی رند تیری اک ذرا کرلیں
تو جنت سی ابھی حور آئی کوثر سی شراب آئی

لیا بوسہ جو عارض کا پسینہ شرم سی آیا
کبھی دیکھا نہیں اسطرح سے کھنچکر گلاب آئی

ضعیفی میں تعشق طفل کنعانی کا کیا معنی
زلیخا دل میں سمجھی تھیں کہ شاید پھر شباب آئی

گلوں کو بھول جائیں بلبلیں سکتے کا عالم ہو
اگر اک روز وہ سیر چمن کو بی‌نقاب آئی

قطعہ

چلی آتی ہیں واعظ لیجیے گا ہاتھوں ہاتھ انکو
ابھی محفل سی کیا اٹھکر گئی تھے کیا جناب آئی

وہی ہی محفل رنداں وہی آزاد بیٹھے ہیں
مصلے کو بغل میں پھر دبائی کیوں شتاب آئی

یہہ عمامہ یہہ جبہ اور ٹخنوں تک یہہ پاجاما
عجب برزخ بنائی ہاتھ میں لیکر کتاب آئی

مگر ہاں کنج عزلت میں نہ کچھ دلبستگی ہوگی
جبھی تو کھٹکھٹاتے سبحہ با حال خراب آئی

کسی نے ٹہر کی پوچھا یہہ تو کہیے حضرت والا
یہہ کوئی پند نامہ ہی جسی لیکر جناب آئی

یہہ سنکر سرنگوں ہوکر بہت شرما کی فرمایا
ریاکاری سی توبہ کی بقصد اجتناب آئی

تمھاری صحبت دلکش سی اب اٹھکر نہ جائینگے
جہانمیں جادۂ بد کو ہر اک مسلک بناتا ہے
اکیلا قبر میں پاکر دبایا تمنے یا ور کو

تم اپنے شائق مہوش سی کہدو بی حجاب آئی
بہت کم ایسے نکلے جو سر راہ صواب آئی
نکیرین اب نہ اٹھنا وہ مدد کو بوتراب آئی

غزل

فلک کا دیکھئے انجام کار کیا ہوگا
امیدوار دل بیقرار کیا ہوگا
میرے گناہ سوا ہیں کہ رحمتیں تیری
کھلی ہوئی ہیں دم احتضار بھی آئیں
نئی نئی سی محبت اداس ادا سی ہیں یہہ
تمھاری ظلم تو عشاق پر ہیں بے گنتی
فقط نہی وہی باقی ہی ملکے خاک میں بھی
جہاں کے قتل کو تیغ نگاہ کیا کم ہے
یہہ جانتا تو میں وقت عطائی عز و جل
شب تپ کا اگر صاعقہ گری تو گرے

نکل چلا ہے دل بیقرار کیا ہوگا
ہمارا کوچ ہے اب انتظار کیا ہوگا
یہہ دیکھنا ہے کہ روز شمار کیا ہوگا
اب اس سی بڑھکے بھلا انتظار کیا ہوگا
یہہ سوچتے ہیں کہ انجام کار کیا ہوگا
تمھیں بتاؤ کہ روز شمار کیا ہوگا
بھلا بلند ہمارا غبار کیا ہوگا
حضور سرمۂ دنبالہ دار کیا ہوگا
یہہ پوچھتا کہ دل بے قرار کیا ہوگا
مگر جواب دل بے قرار کیا ہوگا

ہزار بار اگر تجربہ ہوا تو ہوا
میری وفا کا سبب تجھے اعتبار کیا ہوگا

بروزِ حشر اگر ہوگی پرسشِ اعمال
جواب پھر دلِ بے اختیار کیا ہوگا

ہزار سبحہ کو گردش دی پڑھی استغفار
مگر گناہ تو ہیں بے شمار کیا ہوگا

تمھاری طرح جو اغیار سے ملے کوئی
تمھیں بتاؤ تمھیں اعتبار کیا ہوگا

اُمید و بیم میں گذری ہے اپنی ساری عمر
بس اب اجل کے سوا انتظار کیا ہوگا

فلک نے جسکے نابود کر دیا آدر
زمین و باغ کی کسکو فشار کیا ہوگا

غزل
مطلع اوّل

زبانِ حیا سے جو وا تو یوں اکثر نکلتے ہیں
مگر ہم سے فدائی جانِ جاناں کمتر نکلتے ہیں

نگہ سے گر بچا کوئی تو مژگاں سے ہوا گھائل
ترے تیرِ نظر کے ساتھ سو نشتر نکلتے ہیں

چھری بھی کند ہے جن کی وہ بھی قتل کرتے ہیں
نکلتے بھی ہیں تو ارمانِ دل کیونکر نکلتے ہیں

زمانہ میں ہوا مشہور اب تو آپ کا کوچہ
کبھی کھنچتی ہیں تلواریں کبھی خنجر نکلتے ہیں

بسانِ ابر ڈیرے ہی ڈالدینگے کوہ و صحرا میں
بہار آئی ہے گھر سے لیکے ہم بستر نکلتے ہیں

تمھاری تیر مژگاں ٹوٹ کر رہ گئی تن میں / اگر دیتے ہیں اک نشتر تو سو نشتر نکلتے ہیں

نکلوایا ہی تم نے اپنے کوچہ سے تو جاتی ہیں / ذرا تم بھی تو آ کر دیکھ لو کیونکر نکلتے ہیں

مطلع ثانی

نکلتے کیا نہیں ارمان دل اکثر نکلتے ہیں / کہیں کیا آپ سے کس طرح اور کیونکر نکلتے ہیں

ہزاروں قتل ہونگے دیکھ کر سرمہ کا دنبالہ / قریب تیغ ابرو اور دو خنجر نکلتے ہیں

زمیں ہے تیرے کوچہ کی کہ ہے مقتل شہیدوں کا / کہیں لاشے نکلتے ہیں کسی جا سر نکلتے ہیں

مقابل کوچہ سفاک کے ہے حشر کا میدان / بھلا دیکھیں یہاں سے فتنہ محشر نکلتے ہیں

سر شوریدہ کو تھا عشق جو اس تیغ سے / جہاں کھودی لحد میری وہاں پتھر نکلتے ہیں

کوئی تو کہکشاں سمجھا ہے اس کو کوئی کہتا ہے / تمہارے تیغ ابرو سے عجب جوہر نکلتے ہیں

کسی لیلی ادا کا میں ہوا شیدا اور وہ مجنوں ہوں / جنوں میں لوگ میرا نام لے لے کر نکلتے ہیں

تمہارے در سے اٹھکر یاد رکھنا ہم نہ آئیں گے / پلٹ کر پھر نہیں آتے کبھی گھر سے اگر نکلتے ہیں

گلے کٹ جائیں گے لاکھوں نکلنے دو ذرا حسن کو / ابھی تو عمر تھوڑی ہے کم گھر سے باہر نکلتے ہیں

ابھی کیا پوچھتے ہو ہم سے آنے دو شب عشرت / بتا دینگے تمہیں ارمان دل کیونکر نکلتے ہیں

زمانہ میں بھلا کیا قدر ہو صاحب کمالوں کی / بہت کم قدرداں ہیں نکتہ چیں اکثر نکلتے ہیں

مقطع

در محبوب مل جائیگا قسمت کی رسائی ہے
دکن کی سمت خیرآباد سے یار نکلتے ہیں

کوئی کہدے یہ نہ ہوں اُس شہر پر لوگ پروانہ
کہ موت آ جاتی ہے جب جیتے جی گھر سے نکلتے ہیں

غزل

اُفسر ابرار نہیں اک دشمن جاں ساتھ ہے
آدمی سمجھے ہے ہر وقت شیطاں ساتھ ہے

دل کی سیلانی کو یاد رخ جاناں ساتھ ہے
وادی وحشت میں بھی بوئے گلستاں ساتھ ہے

وصل کی شب آئی ہے وہ مہر تاباں ساتھ ہے
آج شام آرزو و صبح ہجراں ساتھ ہے

شور غم سے قلب مضطر کو نہیں اک دم قرار
جس طرف جاتا ہوں میں یہ دشت پیما ساتھ ہے

ہم [illegible] کی غربت میں رہے یک قلم
ہاں اگر تیرا تو اے دست گریباں ساتھ ہے

ہاتھ میں ہے جام اُسکے جام میں ہے عکس رُخ
ماہ تاباں اور خورشید درخشاں ساتھ ہے

ہمنشینی کیلئے کیا کھینچ لایا جذب دل
جان جب تک تن میں ہے تصویر جاناں ساتھ ہے

دل میں گر انساں رکھے خوف تاریکی قبر
پھر اُسے کھٹکا نہیں کچھ نور ایماں ساتھ ہے

ہم تو سمجھے تھے کہ ہم جائینگے تنہا قبر میں
یاس و حرماں ساتھ ہیں غم ساتھ ارماں ساتھ ہے

کیا مصیبت ہی کہ فرقت میں نہیں آتی ہی نیند
اور کبھی آئی بھی تو خواب پریشاں سا تہہ ہے

لے چلے عشق و جوانی کی ہزاروں داغ ہم
باب ہنجم کی بدولت اک گلستاں سا تہہ ہے

ہوتی ہی ہر حال میں امید سی تسکین قلب
ورد خالق کی دیا بھی ہے تو درماں سا تہہ ہے

بے ثباتی دہر کی ہی عارض گل سی عیاں
گو بہار آئی مگر خوف زمستاں سا تہہ ہے

قبر کی منزل کڑی ہی اور جانا دور کا
ہیہ قیامت ہے کہ اسپر بار عصیاں سا تہہ ہے

لاش اٹھتے دیکھکر جاتا رہا ناز و عتاب
حال کچھ لے اب دہا حال پریشاں سا تہہ ہے

روز روشن ہو گئی یاد رشب تاریک قبر
آفتاب صبح صادق نور ایماں سا تہہ ہے

غزل

سنوارے جا رہی ہیں شام ہی سی آج گیسو بھی
ارادہ ہی کہیں کا کہ رہی ہیں چشم و ابرو بھی

دیئے جا ساقیا تیری بلا سی ہو جو اپھو بھی
چھلک جائیگا گر ساغر تو لونگا میں جلو بھی

کسی کا اٹھ کی جانا کیا قیامت ہے گیا تجھ کو
بگڑ کر میرے پہلو سی دل وحشی چلا تو بھی

نگہ سے تم جلاتی ہو نگہہ سی قتل کرتے ہو
تمھاری سم آنکھہ میں اعجاز بھی ہی اور جادو بھی

نہ لگ جائی نظر دنیں مرے دسواس صبح تنہا ہی
نہ دیکھا کر زیادہ جی لگا کر آئینہ تو بھی

چڑھائی جاتا ہی ساغر پہ ساغر بادہ کش تیرا
صراحی کی طرح پیہم ہوی جاتا ہی اچھو بھی

سنا ہی جیسے دیوانہ تری چشم سخن گو کا
تری مجنوں سی باتیں کرتی ہیں صحرا میں آہو بھی

تمھیں انصاف سی کہدو چمک کس میں زیادہ ہے
اسی مٹھی میں دل ہی اور اسی مٹھی میں جگنو بھی

ہمیں کب آرزو ہی جان دیں ان سیمبروں پہ
مگر کمبخت دل پر ہو کسی پہلو سے قابو بھی

مری الفت کا اندازہ تمھیں ہونا نہیں ممکن
تمھارا تیر ہو جائے اگر دل میں ترازو بھی

تری پند و نصائح مان لونگا ناصح ناداں
کسی کا شیفتہ میری طرح سے ہو اگر تو بھی

چمن میں دیکھ کر اسکو جو گل ہوتی ہیں وارفتہ
تو اڑ جاتا ہی رنگ رخ نکلجاتی ہی خوشبو بھی

پس دیوار کیونکر مبتلائی غم تڑپتے ہیں
تماشہ ہی سر بام آکی ظالم دیکھ لے تو بھی

تمھاری زلف سی سنبل پریشاں حال رہتی ہے
تمھاری آنکھ سی شرمارہی ہی چشم آہو بھی

گماں ہر اک کو ہوتا ہی کہ یہ عشاق کی دل ہیں
کسی نو باندھ رکھی ہیں اگر آنچل میں جگنو بھی

شکایت اُن حسینوں کی عبث کرتے ہوئے یاور
کبھی تمنے جہاں میں باوفا دیکھے ہیں مہرو بھی

غزل

جنازہ غیر کی کاندھی پہ لے مجبور جاتا ہوں
بھلا اپنی خوشی سے کب میں اتنی دور جاتا ہوں

سرورِ عشق آجاتا ہو کہ اب مجبور جاتا ہوں — تھکا ماندہ ہوں میں منزل کہاں طے کیے جاتا ہوں

پشیمانی ذریعہ زاہد و بخشش کا ہے میرے — عبادت پر تمہاری کس طرح کیا مغرور جاتا ہوں

تجلی گاہ اسکی دل ہے اپنا اور نہیں واقف — سوئے کعبہ کبھی میں گاہ سوئے طور جاتا ہوں

نکل آتی ہیں زاہد سبحہ و تسبیح دست بوسی کو — تری مجلس سے ساقی ہو کہ جب مخمور جاتا ہوں

کسی کو ڈھونڈھ لیتا ہوں میں اپنے خانۂ دل میں — نہ سوئے دیر جاتا ہوں نہ سوئے طور جاتا ہوں

جہاں چشمک زنی کرتا ہے ساغر مہر انور پہ — میں اس محفل میں بہر اقتباس نور جاتا ہوں

تری محفل سے جب اٹھتا ہوں بن جیسے اٹھتا ہو — تری کوچہ سے جب جاتا ہوں میں مجبور جاتا ہوں

نشانی ہے یہی کافی جہانِ بے مروت کی — سکھ اپنے ساتھ میں دل میں لیے ناسور جاتا ہوں

جہاں میں ڈھونڈھتا پھرتا ہوں میں تو ایک ساقی کو — نہ سوئے قصر جنت اور نہ سوئے حور جاتا ہوں

حساب اس مست کا محفل سے وہ لیگا تو کیا لیگا — جہاں ہو دختر انگور میں اسکی چور جاتا ہوں

گنہ تا ہوں پہ ندامت اسکی رحمت پہ بھروسہ ہے — [illegible] سے بے سر پُر جاتا ہوں

ٹھہرتا ہی نہیں دل کو تیری جانا کسی سو انا ہے — خوشی سے کون جاتا ہے وہاں مجبور جاتا ہوں

فرشتے جبہ سائی فخر سمجھے ہیں جہاں یادر
اسی در پر خدا کو ہے اگر منظور جاتا ہوں
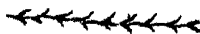
غزل

نہیں آساں ہرگز کوئی قاتل سی گزر جانا
جناں کو زاہد اور عشق الٰہی کا ثمر جانا
یہہ دل کہتا ہی ہم بھی ساتھ چلتی ہیں ٹھہر جانا
بنے جسطرح مجھکو یار کے پیش نظر جانا
خوشامد کون پھر کرتا اجل کی یا مسیحا کی
یہہ کیسا شوق دیدار ہی شبان وادی ایمن
پریشانی میں بھی سو سو ادائیں ہوگئیں پیدا
پھر اب کیوں تجکو نکو روکتی ہو نام لی لیکر
بڑھایا آتش رنگ حنا نی زلف کا گھونگر
کہاں کا عشق صادق نی خدا کا نام ای زاہد
قدم خوابیدہ ہیں اغیار سدّ رہ مگر ہمت
ملانا آنکھ کا ہی کھینچ لینا دل کو سینہ سے
بھلا یا عذر کی توبہ بھی کوئی توبہ ہی ای زاہد

یہاں ہی ہر قدم کے ساتھ جینا اور مرجانا
کہیں گی ہم تو یہہ کچھ بھی نہ تو نی بیخبر جانا
یہہ میں کہتا نہیں تجھ سے کہ ہنگام سحر جانا
کہ انکی نشتر نی سیکھا انکی کلیجہ میں اتر جانا
جو ہوتا ہاتھ میں عاشق کی جینا اور مرجانا
تعجب ہی کہ اپنی ہی شعاع سی آپ ڈر جانا
یہہ کس سی زلف نی سیکھا ہی چہری پر بکھر جانا
ہمارے یاد کرنی کو تو تم ہی نی بی اثر جانا
نہیں مشکل ہوا تھا اپنی دل سی تا کمر جانا
کہ الفت کا کرشمہ ہی کب ابکی بیخبر جانا
یہہ کہتی ہی کہ آئی ہو تو کچھ دنیا میں کر جانا
نظر کا پھیرنا ہی قتل کرنا اور مکر جانا
وہ ہی رند خراباتی نہ انکی بات پر جانا

غزل

غریبِ ہند میں یاور پیام یار رہا
عروج نام کا باعث سپے نثار رہا

گناہ کرکے اگر کوئی شرمسار رہا
تو وہ خطا سے بری پیشِ کردگار رہا

خوشی ہی پرسشِ اعمال کی خبر سن کر
ہزار شکر کہ میں لائقِ شمار رہا

وہ بے رخی کا گلہ مجھ سے سن کے کہتے ہیں
بغیر بات کیے تو گلے کا ہار رہا

بھلا ہو عالمِ عسرت کا اک جہاں ہے خلاف
کسی سے بات اگر کی تو ناگوار رہا

خدا کی جان بھلی ہے تو بدگماں وہ رہے
کبھی ہوا بھی تو غیروں کا اعتبار رہا

حباب موج کا ماتم کدہ سمجھ کو اسے
کناری بحر کے میں جا کے اشکبار رہا

جو کام اے نوا اپنی بھلے برے اعمال
نہ روزِ حشر کوئی اور غمگسار رہا

لیا تو قوتِ بازو سے ہم نے کام لیا
کبھی نہ وصفِ اضافی پہ افتخار رہا

مجھے تو اپنے معاصی پہ شرم ہے زاہد
تجھے تو اپنی عبادت پہ افتخار رہا

وہی عزیز ہے دوست اور ہے وہی رفیق
جو وقتِ بد میں کوئی اپنا غمگسار رہا

تلاش غیر ہے کیوں تیغ آزمائی کو
جگر بھی آپ کا ہے دل اگر دگار رہا

شبِ فراق کا احساں رہ گیا حشر تلک
نہ بار دوشِ احبا کو جسمِ زار رہا

ہوئی چھپی ہوئی خونِ رخِ آیندہ سی عیاں
بلند کوچۂ قاتل سے جب غبار رہا

تمہاری عشق کا سب راز تمہارے دل میں
میں کیا کہوں کہ یہہ کسطرح آشکار ہوا

نہ پوچھیو کہ شبِ ہجر کسطرح گزری
جگر کو تھام لیا دل جو بیقرار ہوا

بُرا ہو حرصِ جہانکا تھا نہ پائی طلب
جہانمیں گرکف سائل کو کچھ قرار ہوا

جو نہ بچ گیا تری ابرو کی تیغ سی کوئی
تو وہ خدنگ نظر کا ترے شکار ہوا

پھری نظر جو کسی کی تو دل ہوا ٹکڑے
ملی نگاہ کہ خنجر جگر کے پار ہوا

ستم کیا تری نیچی نظر نے محفل میں
کہ تھا جو رازِ نہاں سب پہ آشکار ہوا

کسی کی ہم جو شکایت کریں تو کیا ناصح
خود اپنے دل پہ نہ جب ہم کو اختیار ہوا
خود اپنے دل پہ نہ جب ہم کو اختیار ہوا

کھلا یہہ حال کہ مختارِ کائنات ہے تو
کریں نہ قدر اگر اب تو بعد مرنے کے
کھینچینگے لوگ کہ یادر بھی یادگار رہا

غزل

مجھ پہ یہہ ظلم نہ ترکِ ستم ایجاد کرے
میرے ہوتے نہ کسی غیر پہ بیداد کرے

اُس ستمگر سے محبت کا وہ رکھے دعویٰ
جو کوئی ظلم سہے اور نہ فریاد کرے

مطلع

جو ستم چاہے عنادل پہ وہ صیاد کرے ایک کو قید کرے ایک کو آزاد کرے
کوچۂ یار میں ہم چھپ کے جگہ پائی ہے خاک میری نہ صبا اب کہیں برباد کرے
کہو سنے دیکھ مجھے ہنس کے وہ فرماتے ہیں اور کس طرح کوئی آپ کا دلشاد کرے
ہچکیاں باعث رحمت جو ہوا کرتی ہیں حکم ہے کوئی نہ بھولے سے مجھے یاد کرے
کس طرح قدر نہ عالم میں ہو اس سجد کی جو کہ ہر روز نیا اک ستم ایجاد کرے
دست و بازو تو ہیں نازک نہ ابھی سے تھک جائیں تیز خنجر نہ مرے واسطے جلاد کرے
فصل گل میں تو نہ بلبل کو قفس سے چھوڑا اور کچھ ظلم جو باقی ہو وہ صیاد کرے
دیکھتے دیکھتے یاور نہ رہے اہل ہنر ہائے کس کس کو زمانہ میں کوئی یاد کرے
موسم گل میں تو بلبل کو نہ آزاد کیا فائدہ کیا جو رہا اب اسی صیاد کرے

غزل

کہہ رہی ہے زلف آئینہ کو حیراں دیکھکر آج کیا اٹھا ہے تو خواب پریشاں دیکھکر
اسکو بھی سودا ہوا ہے زلف جاناں دیکھکر ہمنے تاڑا آج سنبل کو پریشاں دیکھکر
غصہ آتا ہے اُسے حیراں کو حیراں دیکھکر جی نہیں گرتا پریشاں کو پریشاں دیکھکر
شوق بڑھ جاتا ہے زلفوں کو پریشاں دیکھکر رشک آجاتا ہے آئینہ کو حیراں دیکھکر

پہلے رو رو کر جنوں نے کر دیا تھا تار تار — اب تو آتی ہے ہنسی سوئے گریباں دیکھ کر

جا کے صحرا میں جنوں کا ہو گیا کچھ اور زور — پاؤں پھیلانے لگی وحشت بیاباں دیکھ کر

خوانِ نعمت پر جا کے ہو گئی یوں ہی بسر — غیض کھا کر رہ گیا مہماں کو مہماں دیکھ کر

ابر بھی کہسار سے آکر ہوا ہے خیمہ زن — میکشی کا صحن میں گلشن کی ساماں دیکھ کر

آفتابِ حشر کیونکر اپنی جا سے ہل سکے — ہو گیا ہے محو وہ بھی روئے جاناں دیکھ کر

بے ثباتی دہر کی ہے طفل بھی سمجھے ہوئے — مسکرا دیتے ہیں غنچے گل کو خنداں دیکھ کر

دورِ گردوں میں حریفانہ ہوئی سکی بسر — خون پی کر رہ گیا انساں کو انساں دیکھ کر

دیر تک اپنی اداؤں غور سے دیکھا کیے — ہنس پڑے آخر وہ آئینہ کو حیراں دیکھ کر

روک لیتا ہے زلیخا کی سواری جذبِ شوق — بیڑیاں پاؤں میں پڑ جاتی ہیں زنداں دیکھ کر

جا نہ تن میں ہے نہ یاد آیا نشیمن عرش کا — قصرِ عالی کو میں بھولا کنجِ زنداں دیکھ کر

اس کی قسمت پر مجھے آتا ہے رشک اے آسماں — وصل کی شب جس نے دیکھے سوزِ ہجراں دیکھ کر

گیا چمکتی آئی تھی بجلی فلک سے سوئے ارض — پھر گئی وہ میرے خرمن کو پریشاں دیکھ کر

خوف ہوتا ہے ہنسی کے بعد پچھتانا مجھے — رک نہ جائے تیغِ قاتل زخمِ خنداں دیکھ کر

جانیوالے جائینگے آئی تھی جن کی وہ گئے — کیوں خجل ہو تم سے گو گورِ غریباں دیکھ کر

ہے یہ مشکل ٹھوکروں میں بھی آ سکتا نہیں — چال چلتا ہے مرا سروِ خراماں دیکھ کر

برق عارض کی چمک سے آنکھ میری کھل گئی
چونک اٹھا میں خواب میں رخسارِ تاباں دیکھکر

ہائے کس سفاک سے دلکو میرے پالا پڑا
سرنگوں رہتا ہوں پھر اپنی اماں دیکھکر

ڈرتے ڈرتے آئی تھی تاریکیِ قبر اسطرف
ہوگئی کافور آخر نورِ ایماں دیکھکر

دیکھنا یا ور وہی کل اسمیں آکر سوئینگے
پھیر لیتے ہیں جو منھ گورِ غریباں دیکھکر

غزل

کیا آرزو قفس میں کرے انتظار کیا
اب پھر عندلیب خزاں کیا بہار کیا

دولت پہ بھی غرورِ عبث افتخار کیا
دو دن کی زندگی کا بھلا اعتبار کیا

دیتے نہیں پکار سے بھی رفتگانِ جواب
سب زیرِ خاک لیگئے دلمیں غبار کیا

کھٹکا کیا جگر میں ادھر ناوکِ ستم
تڑپا کیا ادھر یہہ دل بیقرار کیا

کل میکدہ کا وصف تھا اور آج ذکرِ خلد
زاہد ترے کلام کو ہوا اعتبار کیا

اے قبر جز کفن نہ ترے ہاتھ آئے گا
پھر فشار ڈھونڈھتی ہے جسمِ زار کیا

ہے جا وہ وفا رگِ جاں سے سدا عزیز
چھوٹے گا زندگی میں بھلا کوئی یار کیا

واعظ تو پی کے دیکھ لے زاہد سے پوچھ لے
ہم میکشوں کا ہوگا تجھے اعتبار کیا

بندِ ہوس میں ہم نہیں رہتے مگس کی طرح
یہہ عنکبوتِ نفس نباتی ہے تار کیا

کس دن وفا ہوا کوئی وعدہ خطا معاف
باور کریں حضور کا دل و قرار کیا

جب انتظار ہی میں کٹی سب تمام عمر
پھر [illegible] انتظار کیا

وعدہ کیا ہے آج بھی فردا کا آپ نے
کیا خوب دل لگی ہے مرا انتظار کیا

اپنا جسے سمجھتے ہیں اپنا نہیں رہا
جب دے دیا تو دل پہ نہیں اختیار کیا

سو بار حال دل کا بھی سمجھے نہ دلربا
کہہ دو خدا کے واسطے پھر ایک بار کیا

تدبیر چل سکی تو کبھی پیچھے نہ ہاتھ
تقدیر تک گذر ہی کہاں اختیار کیا

میں بھی نہ عرض حال سے باز آؤں گا کبھی
فرمائیں ہم سوال پہ گو بار بار کیا

وہ آگئی تو کیا ملک الموت رک گئے
کھینچا عوض میں روح کو پھر انتظار کیا

اس شہر میں زبان سمجھتا نہیں کوئی
غربت میں ہم بتائیں پھر اپنا دیار کیا

ہم مست آرزو تھے کہ محو دید تھے
ہوتا مرے گناہوں کا ان سے شمار کیا

تم لاکھ ان حسینوں کے شکوے کیا کرو
یاور تمہاری بات کا ہی اعتبار کیا

سہرا

خدا کے فضل سے باندھا ہے رشک قمر سہرا
کہ جیسے نور عارض سے ہے دونا حسن پر سہرا

سہرا اس باغِ جہاں میں آج کس گل رو نے باندھا ہے
لگا ہے چہرۂ نوشاہ پر پڑ کر نہ اٹھتی نہیں
خوشی کا ماں کے اندازہ نہیں ممکن سے صورت
وطن سے اک بہن اور ایک خیر آباد سے آئیں
یہ بھائی کم نہیں فرزند سے ان دونوں بہنوں کو
پدر کی جا تھیں ہو میرزا آغا علی صاحب
سے نوشاہ جب آتا ہے تحمل کیا ہے
جواہر سے صاف ادب جرم ہے سہرے کی لڑیوں میں
ہوا سرشار ایسا دیکھ کر رفتارِ مستانہ
جھکیں آنکھوں پہ سر پہ پھول سے اُسکو دی بھلا نوشہ
دلہن کے پاس سے دلچسپ خبر یہ لیکے آیا ہے
دلہن دولہا ہیں بیٹھے بیچ میں ہے آرسی مصحف
نہ اکتا ہے طبیعت ہو اسے سہرے کی فرمائش

نہیں پھولوں سا تی غوش ہے مالن گوندھ کر سہرا
جبھی تو آ کے حاجب ہو گیا بہر نظر سہرا
دعا تھی رات دن باندھے میرا نور نظر سہرا
تمنا تھی کہ جا کر دیکھ لیں بھائی کے سر سہرا
سمجھتی ہیں کہ ہے باندھے ہوئے لختِ جگر سہرا
خوشی کیونکر نہو بھائی کا اپنے دیکھ کر سہرا
وطن سے بھیجتا یا وہ بنا کر تم اگر سہرا
کہ ہے باندھے ہوئے عالی نسب والا گہر سہرا
جھکا پڑتا ہے اے نوشاہ تیری پاؤں پہ سہرا
پیام شادمانی کا بنا ہے نامہ بر سہرا
نہ کیوں سرگوشیاں ہوں جبکہ ہو پیغام بر سہرا
نظر آتا ہے عکس اُن کا ادھر سہرا اُدھر سہرا
اگر گائے کوئی زہرہ شمائل رات بھر سہرا

ترا باغِ جہاں میں آن یاور ہو گیا شہرہ
بتاتی ہیں گل مضموں سے یوں اہلِ ہنر سہرا

غزل

وحشت میں ساتھ سے دلِ دیوانہ چھٹ گیا
تنہا ہوں جب سے کوچۂ جانانہ چھٹ گیا

قطعِ سخن نہ چاہیے ناصح خطا معاف
باتوں میں آپ کی مرا افسانہ چھٹ گیا

اے قیس ایسا راہنما پائیگا نہ پھر
تجھ سے اگر ترا دلِ دیوانہ چھٹ گیا

گلگیر نے بھی بات نہ پوچھی غریب کی
سر شمع کا قلم ہوا پروانہ چھٹ گیا

اُمید تھی کہ دل کے بہلنے کو ہوگا ساتھ
جب آیا میں تو قیس سے ویرانہ چھٹ گیا

یوسف کو قید کرکے زلیخا کو یہ بلا
زنداں کی چاہ ہوگئی کاشانہ چھٹ گیا

ہے یاد مجکو زاہدِ عزلت گزیں کا قول
ہم پا شکستہ ہوگئے میخانہ چھٹ گیا

غزل

دن فراقِ یار میں جبتک گزرتے جائینگے
زندہ ہوتے جائینگے ہم روز مرتے جائینگے

اُف رہی اندازِ تغافل واہ رے حسنِ ادا
قتل کرتے جائینگے اور پھر مکرتے جائینگے

اور بھی ہوگی اُسی تیغ آزمائی کی ہوس
شکوۂ بیداد گر ہم اُس سے کرتے جائینگے

پھر نہ کیوں اغیار کا تا عرش پہونچے کا دماغ
آپکی نظروں سے گر ہم یوں اترتے جائینگے

تا قیامت پھر عدم آباد ہے اپنا مقام
اس سرائے دہر میں دو دو دن ٹھہرتے جائینگے

ہاتھ تو آئینہ تکنے کی نہ بات آئیگی کیا
زلفیں بنتی جائینگی گیسو سنورتے جائینگے

ہیں تو چھیڑونگا مجھے بھاتی ہے غصہ کی ادا
جسقدر بگڑوگے تم گیسو بکھرتے جائینگے

کہتے ہیں تیر نظر ہم دلکی لے لیں گے خبر
تیغ ابرو کی اگر کچھ زخم بھرتے جائینگے

رحم ہی آ جائیگا اس کو بڑا غفار ہے
سامنے خالق کے یاور ڈر تو ڈرتے جائینگے

غزل

وفا کی کیا کوئی امید رکھے اس ستمگر سے
پھر اک پیماں شکن سے دشمن ایماں سے کافر سے

سلامت سو جو ہیں کیا ٹھکانا ہیں کچھ انکو ٹھوکر سے
نہ دور اندیش باہر پاؤں پھیلاتے ہیں چادر سے

یہی اک آرزو ہے تو چھکا دے اپنے ساغر سے
نہ ہمکو کام جنت سے نہ ہمکو کام کوثر سے

مصیبت اپنی کہہ یوں آ گئی ہے وہ مقدر سے
وہ تھم جائیں کوئی دم ابر مژگاں اس طرح برسے

کرم کا تیرے سکوں پہ ہے کیا کام ہے زر سے
ترے در کے گدا جھک کر ملیں پھر کیوں تونگر سے

بھلا ہوگا بھلا ساقی پلا دے خم کا خم مجھکو
بھلا ہوگا بھلا اس رند کا کیا ایک ساغر سے

مرے لب سے لگا دو تو صراحی ساقی مہوش
نظر ساقی کی دوری میں پیمانہ پہ رہتی ہے
میں ناقوس برہمن سے صدا حق کی سنتا ہوں
بڑھا تھا فتح کرنیکو کہ پلٹا غیر کی جانب
دکھاتی ہے بہت تدبیر شکلیں کامیابی کی
جو رستہ بھول کر اس سمت آ جائیں تو سیر میں ہیں
دکھائیں فکر کی راہیں میں رفتار عالم نے
ہزاروں خواہشیں الطاف پر غیروں کی رہتی ہیں
پسیجا کچھ نہ پتھر سا دل انکا واہ ری قسمت
نقاب اُڑ والی شرم سے بدر اپنے چہرہ پر
بسر کیا چین سے ہو جبکہ دنیا کی یہ حالت ہے
کسی کا منتظر ہوں اہل محشر دیکھنا تم بھی
تمھاری تیغ یقیں ہے پار ہو عتاب بن جائے
عیادت کو مری کب آئے ہیں یا ہے واہ ری قسمت
جواب آیا نہ انکا چل بسا میں منتظر رہکر

نہیں پیتا ہوں چلو سے نہ میں پیتا ہوں ساغر سے
وہ رندوں کا اشارہ تاڑتا ہے چشم ساغر سے
سبق لیتا ہوں وحدت کا کبھی اللہ اکبر سے
لپٹ کر رہ گئے ارمان مرے قاتل کے خنجر سے
مگر مجبور ہو جاتا ہے پھر انساں مقدر سے
سنا ہے آج نکلے ہیں بہت بن ٹھن کے وہ گھر سے
زمیں پہ پاؤں رکھا بھی نہ تھا آغوش مادر سے
ہزاروں کام بنتے ہیں زمانے میں اگر زر سے
وہ میری اشکباری پہ بہت گرجے بہت برسے
ہٹا دو تم ذرا گھونگھٹ جو اپنے روئے انور سے
جدا کر نہیں سکتی کوشش ہی برادر کو برادر سے
ابھی فتنے اٹھینگے سیکڑوں میدان محشر سے
تمھاری تیغ کا موتی حسن میں بڑھ جائے اختر سے
کہ جب اٹھنے کی بھی طاقت نہیں ہے اپنے بستر سے
مرا نامہ کھلا اب آہ بازو تو کبوتر سے

ہے معیارِ شرافت بانکپن رہنا زمانہ میں
کھری کھوٹی کی ہوتی ہے پرکھ خود اسکی جوہر سے

وہ کس امید پر لیجائے اپنی التجا ان تک
کبھی وہ سیدھے منہ کچھ بات بھی کرتے ہیں یاور سے

غزل

ملا ہی نظر کا چھیڑ دینا دل کو نشتر سے
نگہ کا پھیرنا ہے قتل کرنا کند خنجر سے

یہہ وہ نالے نہیں جو تھم سکیں گردونِ اخضر سے
یہہ وہ آہیں نہیں جو رک سکیں سدِ سکندر سے

کسی طائر کو روزی ہیں ملیں موتی سمندر سے
کسی کو رزق پہونچا تا وہ رزاق پتھر سے

مہک مشکِ ختن کی آرہی ہی عقدِ گوہر سے
سراسر بس گئی ہیں یہہ تمہاری زلفِ عنبر سے

نقابِ رخ دمِ قتل آہ قاتل نے نہ سرکائی
کہ مرتی وقت بھی عاشق نظارے کیلئے ترسے

یہہ جتنے پینے والے ہیں بہت مشتاق بیٹھے ہیں
لگی ہے آس ساقی سے لڑی ہے آنکھ ساغر سے

کشش دیکھی کہو دیتی ہے یہہ اُس سے بنا ہوگا
جو مٹی بچ رہی تھی ساقیا کچھ تیرے ساغر سے

جو کچھ ظلم اور کرنا ہوں چلے آنا مری جانب
پشیماں ہو کے اے قاتل پلٹنا ہو جو محشر سے

دلِ عشاق ہیں حلقہ بگوش انکی یہہ کیا کم ہے
تری کانوں کی بندے بن گئے کچھ تم کی گوہر سے

دلِ بیتاب کی ٹکڑے جو اشکِ خون کے ساتھ آئے
تڑپتے ہیں یہہ زیادہ ہیں کچھ یاقوتِ احمر سے

ہے مجمعِ گل خوں کا اور گل زخمِ جگر خنداں
ہے مرقد کی گو زینت نہیں پھولوں کی چادر سے

یہہ کیا بجلی سی چمکی خرمنِ دل پھک گیا جس سے
یہہ کس روشن جبیں نے ہائے جھانکا روزن سے

چھپے مغرب میں جا کر مہرِ عالمتاب سے کہدو
مقابل کیا بھلا ہوگا ہماری ماہ پیکر سے

کسی کو رازِ دل کا پوچھنا اچھا نہیں مشفق
پھر اک اندوہ گیں سے اور اک مایوس و مضطر سے

ستاتے ہو عبث کیا چھیڑتے ہو کیا لہو ہمدم
پریشاں خاطری سے چھٹ گیا ہوں اپنے دلبر سے

بشر کو چاہیے وصفِ اضافی پر نہ اترائے
نبی ممدوحِ عالم مرجعِ خلق اپنے جوہر سے

دو غزلہ تونے لکھکر آج اے یاور قلم توڑا
ترا شیریں سخن کچھ کم نہیں قندِ مکرر سے

غزل

ہر ایک دیکھ کے اب ناصبور ہونے لگا
شباب آتے ہی سب سے غرور ہونے لگا

جہاں میں حسن کا شہرہ حضور ہونے لگا
حجاب آنے لگا اب غرور ہونے لگا

خدا کی یاد میں زاہد قصور ہونے لگا
کہ شوقِ حور و خیالِ قصور ہونے لگا

عجب خمار ہے ساقی کی چشمِ میگوں میں
کہ آنکھ ملتے ہی دل کو سرور ہونے لگا

کشیدگیِ احبا کا گر کیا نہ خیال
تو رفتہ رفتہ دلوں میں فتور ہونے لگا

شباب میں شبِ عشرت کا ذرا سا خط
اب اس چمن میں ہوا کا گذر ہونے لگا

کسی کی سنگ دلی کا جہاں خیال آیا
ہمارا شیشۂ دل چور چور ہونے لگا

وہاں تسلیِ خاطر سے کامیابی پر
یہاں جو صبر و سکوں بھی دور ہونے لگا

یہ دیکھا ہم نے قدم عشق کا جہاں آیا
کہ بات بات پہ چرچا حضور ہونے لگا

کسی سے کانوں میں یہ کہہ دیا کہ مرتے ہیں
سبب یہ کچھ تو کہ ہم سے غرور ہونے لگا

یہ کسکو ساقیِ خوبیں نے دیدیا ساغر
کہ شیشۂ دلِ مایوس چور ہونے لگا

ہمارے دل میں تھا جبتک نشانۂ تیرِ نگاہ
کہاں سے چھوٹتی تیر کا وسیلہ ضرور ہونے لگا

اُدھر تو پاؤں میں مہندی لگا لی شوخی سے
ادھر امید کا خون بے قصور ہونے لگا

تجھے خدا کی قسم سچ بتا دے اے ظالم
خدا بھی یاد تھا جب ذکرِ حور ہونے لگا

خبر یہ دیتی ہیں آ آ کے ہچکیاں پہلے
کہ تیرا ذکر کہیں تو ضرور ہونے لگا

کیا ادا نے کسی بے گناہ کو بسمل
کہ تجھ سے قتل کوئی بے قصور ہونے لگا

بھلا ہوا اس شبِ تارِ فراق کا یارو
کہ میرا سایہ بھی خود مجھ سے دور ہونے لگا

غزل

پسند اتنا کیا ہی بلبلوں نے کوئے جاناں کو
کہ نفرت ہے گلوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں گلستاں کو

نقاب رخ الٹ کر تم دکھا دو وہی تاباں کو
یقیں تو ہی زلیخا بھول جائے ماہ کنعاں کو

خم ابرو کو ظالم نے دکھا کر نوک مژگاں کو
کبھی گھائل کیا دل کو کبھی چھیڑا رگ جاں کو

دم گلگشت جب انہی اٹھایا پیچ داماں کو
تو دیکھا مثل گرد اڑتی ہوئی رنگ گلستاں کو

بنایا گوہر شہوار تو نے آب نیساں کو
کیا حیراں تری صنعت نے عقل کیمیاداں کو

قدم آنکھوں پہ رکھی ہیں گیا ہوں جب بیاباں کو
مری تلووں سے الفت ہے بہت خار مغیلاں کو

کیا شرمندہ عارض نے تری ماتھی کی افشاں کو
بھلا تاری سے پہنچی کیا ضیائی ماہ تاباں کو

خدا کی خوف سی نکلی اگر ایک اشک کا قطرہ
گرا دیتا ہے وہ نظروں سی میری دُرِّ غلطاں کو

نظر اور پھر محبت کی نظر اغیار پہ انکی
یہ نشتر چھیڑ دیگا ایکدن میری رگ جاں کو

یہ تو بڑھ سکے ہرگز ماہِ تاباں سے نہیں سکتا
نہ دیتی اس سے گر تشبیہ ہم ابروئے جاناں کو

شب وصلت پریشانی کا قصہ تم نے دہرایا
سنوارا رات پھر اس شوخ نے زلف پریشاں کو

مری دل نے بہت کچھ گو کہ مجھ سے بیوفائی کی
مگر پہلو میں رکھا پھر اس دشمن جاں کو

مسیحائی ہیں تم کو شہرۂ آفاق سنتی ہیں
جبھی جانیں اگر زخم دل مجروح ٹانکو

پیادے پاؤں تھکنے کے نہیں صحرا نوردی سے
جو ہیں ثابت قدم تو ناپ ڈالینگے بیاباں کو

رخ روشن کی ضو سے زخم دل تازے ہو میرے
لگا کر کھڑکی پر اپنا انچل تم اگر جھانکو

جنوں تجھکے جوش ہیں اتنا تو ہم گر دم اکھڑ جاؤ
کہ سی لیں رشتہ تار نفس سے ہم گریباں کو

بہت رسوائیاں جسکی سبب سے ہو چکیں مجھکو
مجھے پھر لیچلا ہے آج وہ دل کوئے جاناں کو

خریدار اسکی خاطر کو وطن چھوٹا کنوئیں جھانکے
ملا تو ایک عاشق غم بھرے پیرِ کنعاں کو

نشانہ کیا خطا کرتا کوئی بچتا تو کیا بچتا
کماں بھی انکی ابرو کی تھی جب تیرِ مژگاں کو

نگہ ساقی کی ساغر ہاتھ میں لیتے ہی کیا بدلی
سیہ عکس مئے نے متوالا بنایا چشمِ فتاں کو

تڑپتا ناوک کو میں کسطرح پہلو سے جدا کرتا
کہ صاحبدل جگہ دلمیں دیا کرتے ہیں مہماں کو

بہت کچھ رنج و غم کھایا زمانہ کی بچالت سے
جو دیکھا خوانِ نعمت پر کسی مہماں نے مہماں کو

یہی دیکھا کہ دونوں ایک ہی سی نیند سوتے تھے
جہاں چھوڑا قبر میں ہمنے گدا کو اور سلطاں کو

تمہاری ساتھ والے منزلِ مقصد پہ جا پہنچے
نہ کھوئی نیند سو اب تو کھولو چشمِ عرفاں کو

ہوئی کافور تاریکی قبر تار اے یاور
لحد میں لیگئے جب ہم چراغِ نورِ ایماں کو

غزل

احسان کیا یہ گردشِ لیل و نہار نے
کنجِ مزار ڈھونڈ لیا سوگوار نے

مہندی لگائی پاؤں میں ہاں اس نگار نے
پیدا ہاں خونِ دل و جگر کا کیا انتظار نے

جب سوئے باغ قصد کیا گلعذار نے
لے لیں بلائیں چھوڑ کے گل کو ہزار نے

لالا کی پھول اُن گلچیں نے بکھر دیے
زخمِ دلِ حزیں کو پریشان کر دیا
شفقی ہے حسنِ گل میں ہزاروں سوزِ عشق
ہیں اور کوچۂ بت سفاک ناصحا
آخر بہار ہی آ سے آکر رہی خزاں
ناصح کسی کو دیکھ کے کھوئے ہوئے سے ہیں
ہیں کھنچے کھنچے صورتِ دیوار ہو گیا
انساں جہاں نہیں قبلۂ روحانیاں ہوا
میں نے چھپا کے دل میں رکھا اُنکا رازِ عشق
ظاہر میں گو نہ گرد کدورت رہی تو کیا
تھا زندگی میں سب کو محبت کا ادعا
کچھ تازگی سی چہرۂ عاشق پہ آ گئی
تو ایک دن بھی وعدہ وفائی نکر سکا
دنیا میں اور کوئی ٹھکانہ نہیں اُسے
وعدہ پہ کل کے کیا دلِ مضطر کو ہو سکون

پائی جہاں جہاں نے نسیمِ بہار نے
نکہت جو لی ہے زلف سے مشکِ تتار نے
سو رنگ بھر دیے ہیں گلوئے ہزار نے
مجبور کر دیا دلِ بے اختیار نے
کچھ دن قفس میں خوب جلایا بہار نے
تاکا تو ہے انھیں نظرِ ہوشیار نے
کھینچا ہے اسطرح کششِ کوئے یار نے
سجدہ لیا فرشتوں سے مشتِ غبار نے
وہاں فاش کر دیا نگہِ شرمسار نے
جب خاک میں ملا دیا دل کے غبار نے
پوچھا نہ بعدِ مرگ کسی غمگسار نے
زخمِ جگر ہرے جو کیے ہیں بہار نے
آخر کو جان دی ترے اُمیدوار نے
میرا ہی گھر پسند کیا انتظار نے
جب صبح کر دی آج کسی کے سنگار نے

زاہد کو ایکدن جو لگا لائے ساتھ ہم
چھوڑا نہ میکدہ کو پھر اُس وضعدار نے

تھوڑی سی پی تھی واعظ مشفق خدا گواہ
اور وہ بھی توبہ بھول گئے اس بادہ خوار نے

حلقہ بگوش عارضِ تاباں کا ہو گیا
زینت جو تجھکو دی گہرِ آبدار نے

پروانے قبر پہ ہیں مری فاتحہ کو جمع
چادر چڑھائی نور کی شمع مزار نے

کیا جانے کیا ہوا اُٹھ کے چلے ہیں یہ دیکھئے
دامن پکڑ لیا ہی کسی بیقرار نے

ساقی نے کو چھپا کے دیا جام غیر کو
نیچی نگہ سے دیکھ لیا بادہ خوار نے

یکتائے دہر انکو بنایا تو مجھکو فرد
اُنکے غرور نے تو مرے انکسار نے

دریائے نیلگوں میں ڈبویا ہلال کو
کس بانکپن سے ابروی خمدار یار نے

یارو مدد کے واسطے آئے جو بوتراب
بیکا کیا نہ بال لحد میں فشار نے

یا ور تمھارے ہی بات کا ہمکو یقین نہیں
توبہ جہاں میں کی ہی کسی بادہ خوار نے

غزل

ضعف سے لب پہ نہ اک حرف تمنا پہونچا
ہائے کسوقت میں بالیں پہ مسیحا پہونچا

لوحِ تقدیر میں جو غم تھا وہ لکھا پہونچا
مری قسمت کا جو حصہ تھا وہ پورا پہونچا

ساری عالم میں ترے حسن کا چرچا پہونچا
ذکر تیرا ہی سنا خلق میں جس جا پہونچا

قدر کرتی ہیں زمانہ میں جو اربابِ سخن
میں بھی کچھ شعر لیے آج یہاں آ پہونچا

ہوا گر صبر تو ہو جاتی ہیں پیدا اسباب
پیاس ساحل کی بجھا دینے کو دریا پہونچا

قتل ہوتے ہی مرا غنچۂ امید کھلا
اُنکے دامن پہ مرا خونِ تمنا پہونچا

کیوں نہیں دلمیں جگہ تیر کو دیتا ناصح
کسکی چٹکی سے یہ چھوٹا تھا کہاں آ پہونچا

چاند جسطرح سے آئینہ میں عکس فگن
دلمیں اسطرح خیالِ رخِ زیبا پہونچا

پھر گواہی کی نہ محضر کی ضرورت ہوگی
اڑکے خوں دامنِ قاتل پہ اگر جا پہونچا

رات بھر بزم میں ہنگامہ تھا پروانوں کا
شمع جب گل ہوئی پھر ایک شیدا پہونچا

کیوں نہ مقبول ہو پھر حضرتِ عیسیٰ کی طرح
یہ مرا دل اٹھا کر تا بہ کفِ طفلا پہونچا

ہمہ تن نذر ہوا بازیِ طفلاں کیلئے
میں گلی میں تری پہونچا کہ تماشہ پہونچا

ابھی آنکھوں ہی میں تھا خوابِ جوانی کا خیال
صبح پیری ہوئی پیغامِ قضا آ پہونچا

جب ملا حسن کو اورنگِ شہی و زرِ تخت
دلکو ہاتھوں پہ لیے نذر کو میں جا پہونچا

داد خواہ انکے اڑے ہوش اُسی دیکھتے ہی
ہمہمہ ہو گیا محشر میں کہ وہ آ پہونچا

پہونچیاں تونے پہنائی تو ہیں او مشاطہ
کہیں دیکھ جائے نہ اس رخ کا پیارا پہونچا

مقتبس مہر ہوا بدر کا کیا ذکر بھلا
تا فلک عکس نقابِ رخِ زیبا پہونچا

عشق مجنوں سے ہوا فاش جہاں میں ہر چند
دور تک تذکرۂ پردۂ لیلیٰ پہونچا

خواب غفلت سے اٹھو وقت نہیں سونے کا
صبح پیری ہوئی ہنگام سفر آپہونچا

دیکھ کر آنکھ ہوا محو میں ایسا یاور
مری لب تک نہ کوئی حرف تمنا پہونچا

غزل

ولیہ اسطرح ترا تیر نظر بیٹھ گیا
کہ تڑپتا ہوا پہلو میں جگر بیٹھ گیا

مری مرنے کا حسینوں پہ اثر بیٹھ گیا
سر زانو تو کوئی دست بسر بیٹھ گیا

یا علی کہہ کے جو بے خوف خطر بیٹھ گیا
تو نکیرین کے دلمیں مرا ڈر بیٹھ گیا

سایۂ عمر میں دم لینے کو ٹھہرا تھا شباب
اک مسافر تھا ذرا زیر شجر بیٹھ گیا

بحر افکار میں گر کر نہ کبھی دل ابھرا
آبرو اپنی لیے مثل گہر بیٹھ گیا

چاہیے منزل مقصود پہ جا کر دم لے
دیکھ پچھتائیگا تو راہ میں گر بیٹھ گیا

ہے خدنگ نظر یار جگر میں پیوست
دل ہے اب طپاں ہے کہ کدھر بیٹھ گیا

چشمکیں مہر پہ کیں حسن نے اللہ اللہ
بام پر آ کے جو وہ رشک قمر بیٹھ گیا

سیل گریہ نے کیا دل کو فنا گر تو کیا
یہ ندامت ہے [illegible] دست کا گھر بیٹھ گیا

گھر سے نکلینگے نہ وہ در سے نہیں اُٹھونگا
وہ اُدھر بیٹھ رہے تو میں اِدھر بیٹھ گیا

لے گئی تیری گلی سے نہ ہوائے عالم
خاک پر میں صفتِ نقشِ حجر بیٹھ گیا

جلد منزل پہ چلو آئی ہے پیری سر پر
وہ مسافر نہیں جو وقتِ سحر بیٹھ گیا

اس سبب سے کمرِ شاخ لچکتی ہی رہی
پھول جب دوش سے اُترا تو ثمر بیٹھ گیا

حال مستقبل و ماضی پہ نظر کی جسنے
فکر میں ایسا ڈوب گیا دست بسر بیٹھ گیا

نخلِ مژگاں کی تلے آکے تھا قطرۂ اشک
راہرو دہر کا تھا زیرِ شجر بیٹھ گیا

نہ ہٹا میں تری محفل میں سے جگہ پائی
لے کے انگڑائی تو اے دستِ نگر بیٹھ گیا

وہ بھی سرسبز ہوا ہم سے نہ دیکھا اور
خشک مزرعہ پہ اگر ابرِ تر بیٹھ گیا

غزل

ہم اسکو لائے تو ہیں آج التجا کر کے
یہ خوف ہے کہ نہ چل دیں کہیں دغا کر کے

بھلائی چاہتے ہیں غیر کا بھلا کر کے
بُری ہوئی نہ کبھی اس ستم انھیں بُرا کر کے

ملا جواب نہ کچھ عرضِ مدعا کر کے
میں شرمسار ہوا اور التجا کر کے

سبک ہوئے ہیں نگاہوں میں اہلِ محشر کی
کہ انفعال ہوا ہے انھیں جفا کر کے

خطا ہماری ہی ناصح قصور انکا کیا / خطائیں ہم نے سکھائی ہیں خود وفا کرکے

دل اپنا گرد کدورت سی پاک و صاف ہا / اس آئینہ کو رکھا سامنے جلا کرکے

کرم کو عدل پہ ترجیح دی ہی خالق نے / کوئی قصور پہ نادم تو ہو خطا کرکے

خدا کی راہ کا ہم کو پتہ بتایا ہے / بتوں کی عشق میں اس دل نے مبتلا کرکے

ادائیں غصہ کی بھاتی ہیں پھر نہ کیوں چھیڑیں / کہ لوٹتی ہیں مزے ہم انہیں خفا کرکے

تمھارا نام جو مشہور ہنچے والوں میں / تو لے چلے مجھے کوثر پہ رہنما کرکے

گزر گئی جو گزرنی تھی مجھ پہ ہجر کی شب / مگر فلک کو ملا کیا بھلا جدا کرکے

جو فصل گل کا اٹھانا ہی لطف اے صیاد / تو دیکھ نغمہ سرائی مری رہا کرکے

برا لگے نہ فلک کو کہیں یہ کھٹکا ہے / ملا ہے آج وہ کافر خدا خدا کرکے

خدا گواہ نہ جائیگا دل سے عشق صنم / ہزار بار جلائے خدا فنا کرکے

کچھ امتحان وفا چاہتا ہے پھر صیاد / قفس کو سامنے رکھا جو ہے رہا کرکے

یہ دام ظلم ہے صیاد کب سے آزادی / قفس کو سامنے رکھتی نہیں رہا کرکے

ہماری جذب محبت پہ طعن ہوتی ہے / لبھا لیا ہے محبت کا ادعا کرکے

بڑھایا علم بھی یاور خودی کی ہاتھ نفسی
پھنسایا جہل مرکب میں خود نما کرکے

غزل

چند دن پہلے سے انکے طرز رعنائی نہ تھی
خودستائی سے نہ تھی ایسی خودآرائی نہ تھی

ایک آفت تھی شب فرقت کی تنہائی نہ تھی
کلبۂ احزاں میں ڈر کر موت بھی آئی نہ تھی

تھا سے طوفاں اشک کا بارش ابھی آئی نہ تھی
تھا دھواں آہوں کا سے کالی گھٹا چھائی نہ تھی

خوف سے نالاں تھی بلبل گو خزاں آئی نہ تھی
کیوں نہو آخر گل رعنا کی رسوائی نہ تھی

روئے روشن کے سوا سنبل بھی شیدائی نہ تھی
زلف شکنوں کے سوا سنبل بھی سودائی نہ تھی

میں تو خوگر تھا گراں کچھ مجھکو تنہائی نہ تھی
قبر میں مطلق طبیعت میری گھبرائی نہ تھی

اس اداسی دل بیتاب پر بجلی گری
سے بھی اس کافر کی اک شوخی تھی انگڑائی نہ تھی

تابلد تھی عشق کی راہوں سے میں کیا دن تھی وہ
دل تھا قابو میں طبیعت ایسی سودائی نہ تھی

اے زلیخا عشق خالق کی جگہ یوسف کا عشق
سے جوانی اسلئے جا کر پلٹ آئی نہ تھی

خوف بدنامی کا تھا آتی وہ کیوں میری سےہا
ہاں مگر اغیار سے ملنے میں رسوائی نہ تھی

کیوں کوئی تدبیر کرتی ایسی ملنے کی سے ہم
پہلے اس تقدیر کی گردش نظر آئی نہ تھی

گلرخوں کا قبر پہ میلا رہا کرتا تھا روز
زیر تربت بھی کلی اس دل کی مرجھائی نہ تھی

آہ نہ دولت کا نہ تھا غنچۂ ہمسر نبوں کا تھا ہجوم
زلف کی حلقوں میں دلکو قید تنہائی نہ تھی

کیا ارادہ ہی مری پہلو سی کیوں اُٹھکر چلے
آج جانیکی کہو تم نی قسم کھائی نہ تھی

صحبتِ اغیار کی تاثیر زبدا ہی رنگ
اسطرح پہلے طبیعت اُنکی ہرجائی نہ تھی

اُنکو حیرت تھی کہ یہہ بسمل ہی یا نقشِ قدم
اور تڑپنی کی اُدھر مجھہ میں توانائی نہ تھی

محوِ حیرت آئینہ ہی روئی روشن دیکھکر
اسکو ایسی چاند سی صورت نظر آئی نہ تھی

آپ نی ہیکل جو پہنی لگ گئی ہیں چار چاند
اسطرح سے یہہ کسی سینہ پہ اُٹھلائی نہ تھی

پھنس گئی بلبل قفس میں آتی ہی فصلِ بہار
چار دن بھی باغ کی اُسنی ہوا کھائی نہ تھی

آئینہ چھٹتا نہیں ہی اب تو لیکن پیشتر
تھی تو کچھہ مشقِ ستم مشقِ خود آرائی نہ تھی

عشق کا تھا یہہ اثر جو ہو گیا دل پاش پاش
گوشِ گل تک نالۂ بلبل صبا لائی نہ تھی

دل گوا ہی دیر ہا ہی ساتھ آتا قبر تک
میری مرنی کی مگر اُسنی خبر پائی نہ تھی

صحبتِ یارانِ رفتہ کو نہ پوچھو ہمدمو
خواب تھا وہ در حقیقت اُنکی یکجائی نہ تھی

اہلِ محشر ٹکٹکی باندھی کدہر دیکھا کیے
حشر کی دن کیا قیامت آپ نی ڈہائی نہ تھی

حسنِ ساقی میکدہ ہی حضرتِ واعظ ہی یاد
میکشوں میں آپ کی کیا آنکھ شرمائی نہ تھی

عارضِ رنگین سی مس ہو کر صبا ہی باغ باغ
صحبتِ گل میں کبھی اسطرح اترائی نہ تھی

شیخ صاحب ہاتھ میں ساقی کی ساغر دیکھ کر
کیا نظر بھی آپ کی للّٰہ للچائی نہ تھی

اُٹھ گئی پہلو سی وہ اندھیر عالم ہو گیا
وائی قسمت شامِ ہجراں بھی سحر آئی نہ تھی

محو تھی ایسی فرشتی قبر میں پوچھا نہ کچھ
میری باتوں سی طبیعت انکی اکتائی نہ تھی

تھا قفس میں یہہ پیام مرگ بہر عندلیب
نکہت گل باغ سی باد صبا لائی نہ تھی

کسنی بلوایا کہاں جاتا ہوں کیوں ہو مجھکو فوت
میری لینے کو وہاں سی کیا قضا آئی نہ تھی

کیوں کہا انسی کہ دنیا بھر میں چرچا ہو گیا
راز الفت دل میں تھا جبتلک تو رسوائی نہ تھی

ساغر مئے میں تڑپ عکس رخ ساقی کی ہی
مہر و مہ کی شکل یوں اکجا کبھی آئی نہ تھی

میں تو جی جاتا اگر وہ کام کر دیتی تمام
نیم بسمل چھوڑ کر جانا مسیحائی نہ تھی

نزع میں وہ آگئی ہیں نی سنبھالا لی لیا
بات انکی رہ گئی میری ابھی آئی نہ تھی

میری ہوتی تو نی پیسا غیر کو اچھا کیا
وضعداری کی یہہ شان ای چرخ مینائی نہ تھی

یاوری سی شہ کی یاور کو نہ تھا کچھ بھی ہراس
قبر میں مشکلکشا آئی تھی تنہائی نہ تھی

غزل

سخنوروں نی جو تھوڑی سی قدردانی کی
تو داد لی گئی یاور کو خوش بیانی کی

عدو ہوئی ہی یہہ جب سی مری جوانی کی
نہ بھائی پھر کوئی شئی اس سرائی فانی کی

نہیں ہی سر میں ہوا اس جہان فانی کی
ہوس نہیں ہی مجھے عمر جاودانی کی

نہ آئے گر وہ عیادت کے واسطے نہ سہی
کیا نہ مورد احساں یہہ مہربانی کی

اثر جو طور پہ ہونا تھا وہ تو ہو کے رہا
مگر کلیم نے اب لینگے لن ترانی کی

ہوئی گلوں کو خجالت تڑپ گئی بلبل
جو سکا کے کبھی اُسنے گل فشانی کی

وہ بیوفا ہے تو کب دل ہے باوفا اپنا
جبھی تو دونوں نے آپس میں قدردانی کی

مکہ دی خانۂ دل میں نہ بھول کر بھولے
تمھاری یاد کی یوں ہمنے مہمانی کی

اگرچہ کرتی ہیں خودداریاں حسیں تو کریں
نہ رک سکینگی امنگیں مگر جوانی کی

ہوئی وہ شہرۂ آفاق اور بس نہ چلا
ہزار حسن نے انکی نگاہبانی کی

جناں ہے آپ کا کوچہ کہاں زلیخا نے
وہیں سے آئی تھی اُن تک ہوا جوانی کی

گلوں کو اب تو لبھائیگی عندلیب چمن
کہ ہمسے طرز اُڑائی ہے خوش بیانی کی

میں کیا کروں جو سمجھ جائیں تاڑنیوالے
تمھارے عشق کی دل نے نگاہبانی کی

تمھارا ہاتھ ہو اور تیغ بھی تمھاری ہو
فقط یہی ہے دوا میری سرگرانی کی

طبیب خوف سے رکھتے نہیں ہیں نبض پہ ہاتھ
کہ بارہ ہوگا یہہ حالت ہے ناتوانی کی

محبت آپکو مجھ سے ہے مانے لیتا ہوں
نہ کھائیے گا قسم پھر کبھی جوانی کی

نہ اپنے زخم جگر کا کبھی علاج کیا
یہہ مجھکو قدر ہوئی آپکی نشانی کی

ہمارے اشک بنے موتی تو نکالا اک خوں لڑا
گلے لگا کے انھیں جب گہر فشانی کی

ہماری دلمیں کھچی ہے حضور کی تصویر
نہ ہم کو فکر ہے بہزاد کی نہ مانی کی

وہ آئے باغ میں سب بلبلوں کا جھرمٹ ہے
یہہ بندھ گئی ہی ہوا گلشن جوانی کی

وہ آنہ جائیں کہ رسوائی ہو زمانے میں
خبر پہونچ نہ گئی ہو مری سنانی کی

ہماری قبر پہ چادر چڑھانے آتا کون
گیاہ سبز نے کچھ بڑھکے مہربانی کی

تمھاری عشق نے سب کچھ سکھادیا ہمکو
نہ اب بیان کی حاجت نہ ہی معانی کی

لٹایا قبر میں گر قبلہ رو تو خوب کیا
اسیطرف ہی گلی اپنے یار جانی کی

جو چشم فیض کرم سے وہ دیکھ لیں اک بار
تو آب آئینہ میں لہر ہو روانی کی

ملی ہی آج کی شب تو بڑی تمنا سے
حضور خوب کہی آپنے کہانی کی

اسی کو کہتی ہیں توبہ شکن سن ای زاہد
صفت بیان ہو کیا آب ارغوانی کی

یہہ فیض نظم ہے یا اور کلام کیا اپنا
کہ اب جہانمیں شہرت ہی خوش بیانی کی

غزل

فسوں ہی کونسا جو چشم فتنہ گر میں نہیں
وہ سحر کیا ہی جو اُس شوخ کی نظر میں نہیں

یہہ کس کی ضعف و نقاہت کا حال ہی محرقوم
کہ آج قوت پرواز نامہ بر میں نہیں

سے خلق و حلم کا سکہ قلوب عالم پر
یہہ زور اور یہہ قوت تو سیم و زر میں نہیں

پسند کیوں نکروں انکی قادر اندازی
خدنگ دلمیں نہیں یا مرے جگر میں نہیں

یہہ میری حال نی مجھکو گرادیا افسوس
نظر میں انکی زمانہ ہے میں نظر میں نہیں

سوال وصل کی پہلو تو صبح تک ٹالے
وہاں زباں سے نکلی تو رات بھر میں نہیں

بسی رہیں دلِ زاہد میں خلد کی حوریں
خدا گواہ یہہ سودا ہمارے سر میں نہیں

یہہ اک کرشمۂ مخفی ہے خلق و احساں کا
مہک گلوں میں سراسر ہی اور زر میں نہیں

ہم اپنی کلبۂ احقر پہ کیوں نہ فخر کریں
ہمارے گھر میں ہو تم ہم تمہارے گھر میں نہیں

بھلا ہوا اس غم و ستم کا کہ بہہ گئی دریا
وگرنہ اشک کا قطرہ بھی چشم تر میں نہیں

عدو سی آنکھ لڑی حال دل ہوا معلوم
کبھی منھ اپنا چھپاتے ہی ہم بیسر میں نہیں

ادا پہ انکی گلے کٹ رہے ہیں لاکھوں کے
ستم تو یہہ ہی کہ خنجر ابھی کمر میں نہیں

جہاں کی راز نہفتہ کہیں جو ہمت ہو
قدم بڑہا کے بیٹے راہ پر خطر میں نہیں

چمک ہی عارضِ روشن سی نتھ کی موتی ہیں
یہہ آب و تاب تو دیکھی کبھی گہر میں نہیں

دعا وہ دلسی نہیں جوکہ مستجاب نہو
وہ یاد کیا ہی جو ڈوبی ہوئی اثر میں نہیں

میں اُسکی چاند کو تشبیہہ دوں تو کس منہ سی
کلف تو نام کو رخسار سیمبر میں نہیں

تم اپنا ہاتھ ہٹاؤ نہ اپنے سینہ سے
کہ دل کو ہو گئیں تسکیں خلش جگر میں نہیں

جو لاولد ہو تو بہتر ہی ورنہ ای یا آدرہ
ہے زیست تلخ اطاعت اگر پسر میں نہیں

غزل

گرد احباب ہیں حسرت سی نظر کرتے ہیں
پھر کے آنیکی نہیں ہمسے وہ سفر کرتے ہیں

کب بھلا مڑ کی سوی در پہ نظر کرتے ہیں
جانیوالے تو قیامت کا سفر کرتے ہیں

نالۂ صبر شکن یہہ تو اثر کرتے ہیں
دلکو اُس بھولنی والے کی خبر کرتے ہیں

دیکھتی ہیں کبھی حسرت سی ہم ارمانوں کو
اور کبھی یاس سی ہم دلپہ نظر کرتے ہیں

آکے تو دیکھلے اکبار تمنا یہہ ہے
ہم غم ہجر میں کسطرح بسر کرتے ہیں

اپنا گرویدہ وہ کر لیتی ہیں اغیار کو بھی
دلمیں اخلاق و مروت سی جو گھر کرتے ہیں

ناوکوں نی تری چتکی سے ادائیں سیکھیں
دل میں در آتی ہیں رُخ سوی جگر کرتے ہیں

اُف تری تیر نظر اُف تری ترچھی چتون
جس سی جانباز زمانہ کے حذر کرتے ہیں

خود حسیں ڈھونڈھتی ہیں اپنی خریدار دلکو
چاہ کنعاں سی سوئی مصر سفر کرتے ہیں

دیکھتے ہیں کوئی بسمل تو نہیں محفل میں
آئینہ دیکھ کے ہر سمت نظر کرتے ہیں

آرزو کیوں کوئی رہ جائی ہماری ہوتے
ہے مہم قتل کی آج اُسکو بھی سر کرتے ہیں

مسکرا کر یہہ کہا غیر سے دیکھا جو مجھے
ہم تو سنتے تھے کہ نالے بھی اثر کرتے ہیں

ملک الموت ہیں یہاں نزع میں شرماؤنگا
ہے مناسب جو وہ آئینے سے ندر کرتی ہیں

کشتی عمر رواں غرق ہوئی جاتی ہے
آج طوفان بپا دیدۂ تر کرتے ہیں

تیغ ابرو کا اشارہ ہی مری قاتل ہے
آپ تلوار عبث زیب کمر کرتے ہیں

پہلو دنیوں بھی خلش قلب و جگر کی سی ہے
کون ہیں ان کے ستم اسطرح سحر کرتے ہیں

تیری عاشق ہیں سمجھ جاتی ہیں محشر والے
دامن حشر کو اشکوں سی تر کرتے ہیں

بام پر اپنے وہ آتے نہیں اللہ اللہ
بستر اب ہم پس دیوار اگر کرتے ہیں

رخ انور سی تری فیض پہنچ جاتا ہے
پاسبانی جو تری شمس و قمر کرتے ہیں

آب نیساں کا وہ قطرہ ہی جو گوہر کرے
کب مرے اشک نظر سوئی گہر کرتے ہیں

اپنی زلفوں ہی کی خوشبو سی ہوا دیوے گا
مشک و عنبر کی وہ تعریف اگر کرتے ہیں

تو ہی کرتا ہی ہماری غم و ہم کو ہلکا
قدر ہم دل سی تری دیدۂ تر کرتے ہیں

اہی زلیخا تری اشکوں کی ہے [illegible]
دامن حضرت یوسف کو جو تر کرتے ہیں

قدر داں جب نہ زمانہ ہو [illegible]
رخ سوئے ملک بقا اہل ہنر کرتے ہیں

چل دیا ذرکو سنو حضرت ضامن کے یہاں
سنتے ہیں قدر بہت اہل نظر کرتے ہیں
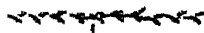
غزل

کروٹ اگر زمانہ نے لی ہے لیا کرے
جو بے خبر ہیں وہ تو نہ چونکیں خدا کرے

جو خفتہ بخت ہیں انہیں ہوتی ہی کب خبر
کوسِ رحیل سر پہ بجے تو بجا کرے

منزل کو قافلے ہیں رواں اور یہہ محوِ خواب
ہشیار انکو اور صدا ہی درا کرے

غفلت ہی اور نیند کراتی ہیں بے خبر
ہوتی ہے ارتحال کی شورش ہوا کرے

سوتی ہیں اینڈ اینڈ کے گو وقت صبح ہے
اللہ اس نسیم سحر کا بھلا کرے

سُنتے نہیں یہہ صورِ سرافیل بھی پھکے
ہرچند شورِ حشر قیامت بپا کرے

انگڑائی لیکے اُٹھے ہیں اصحاب کہف بھی
منشورِ حشر خلق میں جاری ہوا کرے

لرزے ہیں ہول جان تلاطم میں جوں حباب
کل ممکنات دہر کو خالق فنا کرے

ہے پاس وضع سیٹ گری آسماں تو کیا
کروٹ نہ لیں زمیں تہہ و بالا رہا کرے

تیزی سے کچھہ بلندی پہ ٹھیرا ہے آفتاب
یہہ جانتے ہیں صبح ہوئی ہی ہوا کرے

اچھا ہی آپ سوئیے اور خوب سوئیے
رونا ہے کیا ہنسے جو زمانہ ہنسا کرے

کیوں گوش حق نیوش تک آئے خطاب کے
بیدار قوم آپ کا گو مضحکہ کرے

مردہ سی شرط بد کے جو سوئے ہو سوئے جاؤ
اتنی تو لاج قول کی اپنی رہا کرے

یا ورنہ بار خاطر احباب ہو کہیں
جلتا ہی دل جو حالِ جہاں پر جلا کرے

غزل

عشق ستم سی باز نہ آئیں خدا کرے
انکی بلا سے کوئی مرے یا جیا کرے

وہ قتل کر کے ہو نہ پشیماں خدا کرے
کچھ اور خون شوخیٔ رنگ حنا کرے

شاہ ہو سنی بھی وہ باج مقرر لیا کرے
کوچہ کا تیرے جسکو مقدر گدا کرے

وہ کیا خیال پرسش یوم جزا کرے
جو روز ایک فتنۂ محشر بپا کرے

جو موجد ستم ہو جفا پر جفا کرے
اس سنگدل سی کون امید وفا کرے

مطلع

صدمے سہا کری کہ قیامت بپا کرے
رنجور دل ہی کیا کرے اور کیا کرے

ہم جانتی ہیں ناصح مشفق رہِ صواب
قابو میں دل نہو تو کہو کوئی کیا کرے

جب کام بن پڑا تو گیا ہاتھ کام سے
تقدیر کی بگاڑ کو تدبیر کیا کرے

تعریف کر کے حسن کی خوش کر دیا تو کیا
انکو تو چھیڑ کر کوئی باتیں سنا کرے

اب دل کو پرفشانی پروانہ پر ہی رشک
اس شعلہ خو کو دیکھ کی کیونکر جلا کرے

کہتا ہی رشک دل سی نہ اتنا اداس ہو
ممکن نہیں کسی سی وہ کار وفا کرے

اغیار پر ستم بھی گوارا نہیں ہمیں
جی چاہتا ہی روز وہ ہم پر جفا کرے

صیاد پر کتر چکا آیا کرے بہار
رکھی قفس میں قید وہ اب یا رہا کرے

جلوہ ترا کہاں نظر آتا نہیں ہمیں
دیر و حرم میں جا کی بھلا کوئی کیا کرے

ہم مشربوں کو چاہیے کچھ یاد رفتگاں
میرا ذرا خیال رہی جو پیا کرے

دلدادگان عشق پہ ہوتا ہے کیا اثر
ناصح تمام عمر نصیحت کیا کرے

میری لحد پہ لاکی چڑھا جائی چار پھول
اتنا سلوک تو کبھی باد صبا کرے

چھریاں لگاؤں آج کلیجہ نکال کے
ہر روز کون جا کے جگر کو سیا کرے

پروانے انکے حسن کے گرویدہ ہو گئے
جلتی ہی شمع بزم میں آکر جلا کرے

وارفتہ ہو کسی کا یہ ملے تو لطف ہے
میری طرح اسے بھی خدا مبتلا کرے

ہاں یہ علاج دلکی زخود رفتگی کا ہے
لازم ہے چشم تر اسے چھینٹے دیا کرے

محشر کے روز رحمت حق ہوگی پردہ دار
کھلتا ہے زیر خاک کفن تو گلا کرے

جاتی ہیں پھر رقیب کہاں دیکھنا یہ ہے
آئیں ہمارے گھر میں وہ اک دن خدا کرے

جنت میں بدلی حور کی ملجائے تو مجھے
اللہ مستجاب یہ میری دعا کرے

تیر گمان ہوتا ہے یا در زے نصیب
انکی گلی میں جاکے جو کوئی صدا کرے

غزل

مانا کہ نہیں رسم وفا بھی نہیں آتی
افسوس کہ تم کو تو جفا بھی نہیں آتی

گر ہو نہ مروت تو حیا بھی نہیں آتی
آئینہ ہو اندھا تو جلا بھی نہیں آتی

سچ بھی ہو اگر عیب کسی کا نہیں کہتے
جھوٹی نہیں تعریف و ثنا بھی نہیں آتی

آساں نہیں اغراض کے پھندوں سے نکلنا
بے اُسکے کبھی یاد خدا بھی نہیں آتی

جسدن سے نہیں قتل کیا باغ میں اُسنے
دسواس سے گلشن سے حنا بھی نہیں آتی

تم جانتے ہو حرص سے آزاد گدا ہیں
اُن تک تو قناعت کی ہوا بھی نہیں آتی

کون ایسا ہے دو پھول چڑھا جائے جو آکر
مرقد پہ میرے باد صبا بھی نہیں آتی

آزاد ہوا خلق میں وہ بعد ہمارے
پابندی ظالم کو حنا بھی نہیں آتی

جب دل ہے شکستہ تو نہیں لطف فغاں کا
ٹوٹے ہوئے شیشہ سے صدا بھی نہیں آتی

خضر آئیں مرے گھر نہ مسیحا ہی بچاتے
تنہائی وہ ہے ڈر کے قضا بھی نہیں آتی

ساحل پہ نظر ورطۂ غم میں دل مضطر
اور پاس مرے موج فنا بھی نہیں آتی

یہ خوبی قسمت کہ وہ اس درجہ خفا ہیں
حصہ میں مری اب تو جفا بھی نہیں آتی

جو ظلم کریں شیشۂ دل پر وہ بجا ہے
ایسا ہی شکستہ کہ صدا بھی نہیں آتی

حور دل کا بیاں اور وہ پھر ہوتا ہے کس سے
واعظ تجھے رندوں سے حیا بھی نہیں آتی

کیا قافلۂ شہر خموشاں کا ہوں جو یا
رکو سوں مجھے آواز درا بھی نہیں آتی

بس شربت دیدار کا طالب تھا یہ بیمار
کیسے ہو مسیحا کہ دوا بھی نہیں آتی

وہ کوسنے دیتی ہیں تجھے دیکھ کے یاور
اور لب پہ تری کوئی دعا بھی نہیں آتی

غزل

ہم تو سمجھے تھے محبت ہوگی
یہ نہ معلوم تھا آفت ہوگی

غیر سے میری حمایت ہوگی
یہ بھی اک اس کی شرارت ہوگی

آپ کے حسن کی شہرت ہوگی
ہاں مگر کس کی بدولت ہوگی

اک نگاہِ غلط انداز سہی
اتنی بھی کیا نہ مروت ہوگی

آپ اور عہد کا ایفا کریں
بھول جانے ہی کی عادت ہوگی

سنتے ہیں جاتے ہیں میخانہ کو
آج واعظ کی بری گت ہوگی

تاڑ جائیں نہ مرے عشق سے لوگ
انکی کیا چاند سی صورت ہوگی

آپ سچ کہتے ہیں ماشاءاللہ
جھوٹے وعدونکی نہ عادت ہوگی

ابھی بوٹا سا ہے قد فتنۂ حشر
کچھ بڑھے گا تو قیامت ہوگی

جو رہی خلق میں ناکام سدا
سچ تو یہ ہے مری قسمت ہوگی

آئینہ غور سے کیا دیکھتے ہو
اس میں اک چاند سی صورت ہوگی

سن نیا حال تو احسان اسکا
آگیا گر تو عنایت ہوگی

آرزوئے دل وحشی مت پوچھ
شرم آجائے گی خفت ہوگی

چھوڑ دو دل عشق صنم گر ناصح
روز کس کس کو نصیحت ہوگی

میں چکھوں پیر مغاں خوب کبھی
ہاں ترے خم میں کرامت ہوگی

دیکھ لوں کہہ گئے تمنائے دلی
اور کیا ہوگا ندامت ہوگی

باندھ کر تیغ وہ آئے تو ہیں
دیکھئے کس کی شہادت ہوگی

خوگر بادیہ پیمائی ہوں
گھر کو جاؤنگا تو وحشت ہوگی

لے بھی لو بوسہ رخ اے بادر
خیر چمکے تو شکایت ہوگی

غزل

کسی کو شوق نہیں اپنی سیہ محویت کا نقشا ہے
تماشائی ہی محشر اور وہ محشر کا تماشا ہے

کہوں کیا زاہدا حوروں کا تیری دل میں سودا ہے
خیالی صورتوں پر مرتے جینے کو یہ دنیا ہے

مکرتا ہے وہ محشر کو بھی سمجھا ہی کہ دنیا ہے
اگر چتون یہ کہتی ہی کسی کو مار ڈالا ہے

نہ غیروں کی طرح پوچھو ذرا پہلو میں آ بیٹھو
کلیجہ سے لگا لوں پھر کہوں کیا کیا تمنا ہے

ہٹا کر ہاتھ سینہ سے تڑپنا دیکھ لو دل کا
کس انداز تغافل سی وہ کہتی ہیں کہ پیدا ہے

خیال عارض تاباں سی روشن ہو گیا تھا گھر
مگر پھر زلف مشکیں یاد آئی پھر اندھیرا ہے

ڈبو دیتا ہی دل کو جب کوئی آنسو نکلتا ہے
مجھے ہر قطرۂ اشک تمنا جوش دریا ہے

تم اچھے اور تمہارا شیوۂ عاشق کشی اچھا
ہماری زندگی کیا آرزو کیا مدعا کیا ہے

یہ کس لیلیٰ ادا کی اس مجنوں کو غیرت دی
جہاں میں رونق باغ جہاں جس کی صحرا ہے

حسیں ہیں طالب عشاق تیری حسن کے آگے
یہ جنس حسن کا دنیا میں ارزاں آج سودا ہے

سمجھتا ہوں آنکھیں پاؤں کی صحرا نوردی پر
مری ہر اشک کا قطرہ مری تلووں کا چھالا ہے

زباں تک حرف مطلب آ نہیں سکتا سمجھتا ہو
مگر اتنی تمنا ہی وہ پوچھیں آرزو کیا ہے

خدا حافظ عبث کڑھتی ہو میری بیقراری پر
مجھے تو رات بھر اب کروٹیں لینا تڑپنا ہے

نہ پوچھو اے ہمنشیں سینہ سی کیوں لپٹا لیا میں نے
بسا ہی بوئی زلف عنبریں سی سینہ تکیا ہے

تعلق عشق کا وہ ہے چھپائے سے نہیں چھپتا | محبت کا ہماری اب تو اک عالم میں چرچا ہے

نشاں ہے راہ میں یوں پاس حسرت تا لحد یا ور
یہ کہتی کی نہیں حاجت کہ یہ کس کا جنازہ ہے

غزل

خوشی دم بھر کو آ نکلی مرے گھر میں تو آ نکلی
کسی پر یا نسی اُسکی اگر تیغ جفا نکلی
توقع تھی مجھے اُمید سے کچھ ساتھ دیدیگی
یہی دیکھا چلے آئی ہیں خود معشوق گھر بیٹھے
مسطر یوں ہوئی گلشن گر اُسکی نگاہوں نے
پھرا صحرا بہ صحرا چھوڑ کر گھر سختیاں جھیلیں
ہر اک مشکل ہے آساں ہاں ہے قلب مشکل ہے
علاج اپنے مرض کا عمر بھر میں مت کو پایا
محبت میں کرامت عذب کی بخشی ہے خالق نے
سوال اُس سے کیا میں نے تو انداز نظر بدلا

مصیبت جو پڑی قسمتی سے دریا نکلی
میں تڑپا اور تڑپ کر دل سے آہ شعلہ زا نکلی
مگر وہ بھی عذاب جاں ہوئی در بے وفا نکلی
اثر میں ڈوب کر دل سے اگر آہ رسا نکلی
تری کوچہ سے اٹھلاتی ہوئی باد صبا نکلی
مگر میری لیے ظالم نہ تیری دل میں جا نکلی
اثر اللہ نے بخشا اگر دل سے دعا نکلی
جو قابو میں نہیں افسوس وہ اپنی دوا نکلی
محبت لغزشیں نکلی محبت دل رُبا نکلی
نظر انداز ہونی کو زباں سے اِلتجا نکلی

دعا جو ورد تیرا خلد کی لیتی ہے اے زاہد
تعلّی وہ جھوٹ کی تھی سب تیری یا خدا نکلی

وہ انکا چھپنا وہ سادگی آنکھوں میں پھرتی ہے
اگر جب سن بڑھا اقبال عالم ہر ادا نکلی

تمہارا دل ہمیں سمجھے کب جو سکتے ہیں المنظور ایسی
ہوا اچھا جو محفل میں نظر کچھ آشنا نکلی

ایسا تھا بہیں حبیب دل پھر بھی تم نے کچھ کیا اثر
نگاہ دیکھ اس ستم ایجاد کی با آور دعا نکلی

غزل

ہمنشیں پہلو سے چھپتا اگر ہمکو غم نہیں
اپنے دلکا ہی یہہ رونا غیر کا ماتم نہیں

دور ہی کعبہ تو ہو حب وطن کچھ کم نہیں
خیر گنگا جل تو ہے گر چشمہ زمزم نہیں

اپنے صانع کا ہے یہ مصنوع کو اتنی تو فکر
آج تک ہی جام گردش میں پہ کیا دور جم نہیں

کچھ سے آتے ہیں جگر سے اشک خونیں ہیچ سا
خون کے ڈبرے ہیں دونوں دیدۂ پر نم نہیں

خوف حق کچھ بھی نہیں واللہ تو کیا یہ کلام
کیوں قسم کھاتا ہے ظالم کیا قسم میں دم نہیں

سبز رنگوں کا نظارہ ہی طراوت بخش ہے
زخم دل کیواسطے زنگار کا مرہم نہیں

کیا کریں کعبہ کو جا کر دیدۂ دل تو ہیں پاس
یہہ خدا کا گھر نہیں یا چشمۂ زمزم نہیں

میرے حصے کی چھلک آئی تھی کیا احسان ترا
دیکھ لے ساقی کہ تیرے جام میں کچھ کم نہیں

اپنی ہست و بود پر روتا ہے سبزہ باغ کا
سبز پتوں پر نمایاں قطرۂ شبنم نہیں

ساتھ تھا بچپن سے جن کا تا لحد پہنچا گئے
کنج تنہائی میں کوئی مونس و ہمدم نہیں

تیرے ابرو کی کمانیں جو خالق نے دیا
خوشنما اتنا ہلال عید میں بھی خم نہیں

حور طلعت کوئی ساقی مسکرا کر جام دے
جب تو میں جانوں کہیں گر قبلۂ عالم نہیں

دن آیا ہے خدا جانے لئے سیر و شکار
آہوان وحشت کو بھی آج تاب رم نہیں

عشق نے کیا شکل بدلی آپ حیراں ہو گیا
آئینہ دیکھا تو حیراں ہو گئے وہ ہم نہیں

حشر ہو یا نشر ہو پرسش ہے اعمال کی
ہیں اگر مشکل کشا یاور تو کوئی غم نہیں

غزل

کیا تلاطم ہے جہاں میں جب پنا اک دم نہیں
کون ہیں وہ صحبتیں دنیا میں جو برہم نہیں

بات میں اک بات کا پہلو بھی ملجائیگا
اپنے مطلب کی سمجھ لوگے کہو مبہم نہیں

وہ کشیدہ تھے تو قابو میں دل پر غم نہ تھا
عید ہے ہم کو مزاج یار جو برہم نہیں

ہے توکل کا خزانہ پاس پھر کیا چاہیے
یہ بڑی دولت ہے گو دینار اور درہم نہیں

سن ترانی ایک گوشہ میں کھڑی سنتے تھے ہم
وہ سمجھتے تھے کہ محفل میں کوئی محرم نہیں

اس سرائے دہر میں کیا آئے ہم اور کیا چلے
چار دن مل بیٹھ کر گذری اگر باہم نہیں

نام اور ہو حیات جاوداں گر چاہیے
نام تو ہے آج تک زندہ اگر رستم نہیں

نیم بسمل تو مجھے اے خنجر قاتل نہ چھوڑ
اس بلا کا ابرو دیگا یہ طعنہ کہ تجھ میں دم نہیں

ڈوب کر بحر سیاہی میں تو دامن تر چلے
اک پلک اشک ندامت سے مگر پر نم نہیں

شکر کر رزاق عالم کا توکل چاہیے
تیری قسمت کا جو لکھا ہے وہ بس کم نہیں

ہے لقا گندم کی جبتک آسیا سے دور ہے
صحبت ناجنس یارو موت سے کچھ کم نہیں

غزل

باغ سے میں جانب کوہ بیاباں بڑھ گیا
جیب گل کو دیکھ کر وحشت کا ساماں بڑھ گیا

یاس و حسرت کی سوا قاتل کا پیکاں بڑھ گیا
خون مینی کو مرا اک اور مہماں بڑھ گیا

کہہ رہی تھے اور کچھ میری مکافات عمل
پردہ پوشی کو مگر رحمت کا داماں بڑھ گیا

مطلع

میری ہر دُرِ اشک سے کب دُرِّ غلطاں بڑھ گیا
ابرِ مژگاں سے مری کب ابرِ نیساں بڑھ گیا

چلتے چلتے اس جوانی نے کیا اچھا سلوک
جھک گئی آخر کمر وہ بارِ عصیاں بڑھ گیا

ضو دُرِ دندانِ قاتل کی ہے گویا چاندنی
مسکرا کر جب نظر کی زخمِ خنداں بڑھ گیا

کاکلِ قدرت نے تمہاری ہاتھ کھینچا وہ نقش
جب ہٹا سینہ سے وہ پھر درد پنہاں بڑھ گیا

شمعِ کشتہ ہے مرا دل اب کہاں وہ گرمیاں
سرد آہوں نے چراغِ زیرِ داماں بڑھ گیا

جیسے مکتب میں وہ بیٹھا غلق پہنچی بہر سُو
دیکھنا استاد سے طفلِ دبستاں بڑھ گیا

جب نگاہیں مل گئیں گھائل ہوئے قلب و جگر
دل کے برمانے کو اسکا تیرِ مژگاں بڑھ گیا

میرے اعمالِ حسن پاسنگ بھی نکلے نہ آہ
اسقدر بارِ معاصی بہرِ میزاں بڑھ گیا

ہاتھ ڈالا تھا زلیخا نے رہے یوسف الگ
اپنے سر لینے کو پیراہن کا داماں بڑھ گیا

ہو گیا سکتہ سا مالک کو ہٹا پچھلے قدم
حکم سے خالق کے جب میں سوئے رضواں بڑھ گیا

تیرے مجنوں کو ہوا صحرا نوردی کا جو شوق
بہر پابوسی ہر اک خارِ مغیلاں بڑھ گیا

مرثیہ کا کر دئیں لینے لگے اللہ رہی یاد
بھول کر جب وہ سوئے گورِ غریباں بڑھ گیا

صحبتِ رندان میں جا نکلے تھے زاہد ایکدن
دیکھئے اسدن سے کیسا نورِ ایماں بڑھ گیا

اک قیامت آگئی دنیا میں ہلچل پڑ گئی
فتنہ محشر بنا جب قدِ جاناں بڑھ گیا

کب کسی بلقیس طلعت نے دیا کاندھا اُسے
کب مری تابوت سے تختِ سلیماں بڑھ گیا

سچ تو یہ ہے جذب الفت کھینچ لایا تا بہ مصر
ورنہ کیا خود گام فرسا ماہ کنعاں بڑھ گیا

سب دھر لیتے نبی جبدن سے پاؤں رگ لحد
مرقد مجنوں کا اُس دن سے حیراں بڑھ گیا

غزل

سرد سرد آہوں سے جوشِ چشم گریاں بڑھ گیا
آندھیاں چلنے لگیں کچھ اور طوفاں بڑھ گیا

سو امنگیں بڑھ گئیں جب قدِ جاناں بڑھ گیا
چاہنے والے کی دل میں حد سے ارماں بڑھ گیا

بیخودی کی سب کرشمے تھے نہ تھا قابو میں دل
کیا کہوں میرا قدم کیوں سوئے درباں بڑھ گیا

اسی قدر انداز ای ناوک فگن کیا پوچھنا
تیر چٹکی میں رہا تا قلب پیکاں بڑھ گیا

بے طلب دیتا تجھے اللہ ای سائل مگر
تھی ترے دل کی یہ کوتاہی کہ داماں بڑھ گیا

ہیں کرشمے حسن کے ظاہر زنان مصر پر
مہر عالم تاب سے بھی ماہ کنعاں بڑھ گیا

مل گیا فرماں اسی عشاق کا خوں ہے معاف
جب حنا بندی کی خاطر دستِ جاناں بڑھ گیا

پڑ گئے صحرا نوردی سے جو تلووں میں شگاف
بخیہ گرنے کو ہر ایک تارِ گریباں بڑھ گیا

پا بگل حیرت میں شمشاد و صنوبر رہ گئے
سر بپا ایسے مرا سرو خراماں بڑھ گیا

کشتۂ تیغِ ادا کا زندہ کرنا تھا محال
ابن مریم سے مرا عیسیٰ دوراں بڑھ گیا

مثل ماہ عید شہرت اس جنوں میں ہے مری
انگلیاں اُٹھنے لگیں جب آگریباں پڑ گیا

اور کوہ طور پر جا کے رہیے منتظر
اشتیاق دید کیوں موسیٰ عمر اب بڑھ گیا

وحشت دل لیچلی ہے خدا جانے کہاں
عرصۂ محشر سے بھی کچھ آج میداں بڑھ گیا

اپنی خودداری سے رہتی تھی زلیخا دور در
جب ذرا چوکی قدم خود سوے زنداں بڑھ گیا

نقد اک بیچا ہے انھیں سینے لگ کیسا جواب
ایک نا امادہ سے طاق نسیاں بڑھ گیا

دل جلونکی وجہ سے گرمیِ بازار حسن
مشتری جب ہم ہوے تو حسن خوباں بڑھ گیا

فکر میں ہیچ نظروں نے مجھے دیکھا کئے
حشر میں جب سر نگوں ہیں پیش یزداں اٹھ گیا

چاہنے والونکی اچھی قدر کی ہے مرحبا
ظالموں سے نام تیرا آفت جاں بڑھ گیا

کیا ہٹا لا نار نظر شہر سے اتنا تو رہے
چمن کے افشاں جلوۂ رخسار جاناں بڑھ گیا

نظم کا سینہ فیض تھا اور قدر افزائی بھی تھی
رتبہ پایا اور جو پیش سخنداں بڑھ گیا

غزل

مناسب کیا ہے ناصح چھیڑنا زنجیر وحشت کو
بھلا اک اندوہگیں کو غمزدہ کو اور مضطر کو

تری ابرو سکھا دیتی ہے برش تیغ و خنجر کو
سبق دیتی ہے یہہ نوک مژہ ناوک کو نشتر کو

غم و بیم و یاس و حرماں کو جگہ میں دل میں دیتا ہوں
کہ یہہ آباد تو رکھتے ہیں اس اُجڑی ہوئے گھر کو

غنی اگر کچھ بھی ہے انساں کو توکل بھی دولت ہے
نظر اپنی اُٹھا کر ہم نے کب دیکھا تونگر کو

نہ آغوش صدف کیواسطے مچلے در غلطاں
لطافت بخش دی جب عارض تاباں نے گوہر کو

دو شالہ اوڑھنا اور سینت کر رکھنا مصیبت ہے
نہ دیکھا کرم خوردہ تو کبھی کاٹا ہے کی چادر کو

مجھے اُس ساقی کافر ادا سے کیا توقع ہے
جو آجائی تو آجائی مروت چشم ساغر کو

اسی مسن گن سے جمع ہو گیا ہے سر فروشوں کا
چھپا کر اپنے دامن میں وہ لے آئی ہیں خنجر کو

وہی ہو کر رہیگا جو لکھا ہے لوح قسمت میں
پلٹ سکتا نہیں تدبیر سے کوئی مقدر کو

فقیر اللہ کے منعم مگن ہیں اپنی کملی میں
بھلا وہ کیا سمجھتے ہیں تری زرتار چادر کو

یقین کر لی کہ اُڑ جائیگی سب ای ساقی نادان
نظر بھر کر جو زاہد دیکھ لیگا تیری ساغر کو

جو میں نے آئینہ دیکھا تو عکس رخ بنا ہمدم
ہوئی تسکین تنہائی میں کچھ مضطر سے مضطر کو

خجالت بار عصیاں سامنا کرسکا قیامت بھی
بڑی مشکل سے ہم نے طے کیا میدان محشر کو

محبت آزما اُس سنگدل کے ظلم ہیں ناصح
کسوٹی پر لگا کر دیکھتے ہیں جسطرح زر کو

لیے تفریح وہ سرو رواں جب باغ میں آیا
اکڑتی پھر کبھی دیکھا نہ شمشاد و صنوبر کو

عجب عبرت فزا اس باغ عالم کا نظارہ ہے
کبھی گلچیں کو دیکھا اور کبھی ہم نے گل تر کو

اُٹھا وہ ابر وہ سنکی ہوا وہ بوندیاں آئیں
ارے او بے خبر ساقی اُٹھا لا جلد ساغر کو

نشا قہر کا کہیں سے آج ساقی پی کے آیا ہے
کہ ہر رند تیرے پاس پھرتا ہے خالی لیکے ساغر کو

طپش کس میں ہے سوا اہل محشر دیکھ ہی لینگے
ہر اک داغ جگر کو اور پھر خورشید محشر کو

لکیریں کھینچ کر زمیں پر کھینچتا ہے اور مٹاتا ہے
تری فرقت میں اچھا مشغلہ سوجھا ہے یاور کو

غزل

حال دیکھا نہیں جاتا ترے سودائی کا
دل پہ قابو ہی نہ یارا ہے شکیبائی کا

جب زباں زد ہوا قصہ ترے سودائی کا
ہو گیا خلق میں شہرہ تری رسوائی کا

حشر میں صانع قدرت نے بلا کر اس کو
امتحاں لے لیا اک ایک تماشائی کا

تیرہ بختی سے دیا ساتھ نہ سایہ نے بھی آہ
حال کیا پوچھتے ہو عالم تنہائی کا

کم ہوئی مشق ستم جب تو بڑھی عشوہ گری
شوق پیدا ہوا ظالم کو خود آرائی کا

میری تقدیر دیا کرتی ہے الٹی تعبیر
دیکھ لیتا ہوں کبھی خواب جو یکجائی کا

آستانِ درِ جاناں کا نشاں تک نہ رہا
ہو گیا خاتمہ اب اپنی جبیں سائی کا

بیوفائی کا گلہ سنکے وہ فرماتے ہیں
تم کو چاہیں تو ہمیں خوف ہی رسوائی کا

اپنے بیمار کا سمجھے نہ مرض کیا کہنا
اور پھر آپ کو دعویٰ ہے مسیحائی کا

اس گل سر سبد حسن کا دل ہی بلبل
باغ عالم میں جسے فخر ہے یکتائی کا

رخ روشن کی ضیا پہ ہی عیاں قوس قزح
کیسا عجیب ہے نقشہ تری انگڑائی کا

داد دیتا ہی مری دل کی تڑپ جانے کی
روک لینا تیرا آتی ہوئی انگڑائی کا

وہ جماہی پہ مرے یار و نکا برہم ہونا
پہ بیساختہ آنا مجھے انگڑائی کا

سنسنی ہوگئی عاشق کی رگ و پے میں پیدا
ڈھنگ دنیا سے جدا ہے تری انگڑائی کا

بے تکلف مانی و بہزاد قلم رکھ دینگے
کیا اتارینگے وہ خاکہ تری انگڑائی کا

پڑ گئی جسکی نظر قلب و جگر تھام لیا
ہے یہہ چلتا ہوا جادو تری انگڑائی کا

میں ہوا ہوکر نہ رہا نشۂ مے ای ساقی
کچھ جماہی کا ہوا کچھ تری انگڑائی کا

تیغ ابرو سے بچے جو وہ ہدف ہو انکا
ہے اشارہ یہی مژگان کی صف آرائی کا

آئینہ ہاتھ سے چھٹتا نہیں دم بھر یاور
انکو اس درجہ بڑھا شوق خود آرائی کا

غزل

ساتھ دکھ درد میں بھائی بھی نہ دے بھائی کا
مقتضا ہے تو زمانہ میں یہہ دانائی کا

پھر بہار آئی ہوا جوش جنوں پھر پیدا
دل کو پھر شوق ہوا بادیہ پیمائی کا

دشت و در سے بے تعظیم بگولے اُٹھے
اب تو رتبہ یہہ بڑھا آپ کی سودائی کا

میں تو رحمت کا طلبگار تھا الٰہی جنت
رہ گئے وہ جنھیں غرہ تھا جبیں سائی کا

پھر چھوڑائی سے نہ چھوٹیگا زلیخا تا حشر
داغ دامن پہ جو رہجائے گا رسوائی کا

ناتوانی کا بھلا ہو کہ بہت کچھ چاہا
قافیہ بند نہ سکا ہم سے توانائی کا

اُنکے آنے کی جو پاتا ہی یہہ بیمار خبر
دوڑ جاتا ہی اثر دلمیں توانائی کا

حُسن لیلیٰ نے محفل میں قیامت ڈھائی
دل کھنچا جاتا ہی ہر ایک تماشائی کا

حُسن یوسف کا اثر تھا تو زلیخا تک تھا
آج ہر دل پہ ہے سکہ تری رعنائی کا

ہائے وہ چشم غزالیں کی کشش وقت شکار
چوکڑی بھولنا وہ آہوئے صحرائی کا

آپ دل دیکے جو یا اور کو منا کرتے ہیں
شکر کرتا ہے وہ اس مرتبہ افزائی کا

غزل

درد دل شام ہی سے آج سوا ہوتا ہے
صبح بھی ہوتی ہے یا دیکھیے کیا ہوتا ہے

روز عاشق پہ جو ہو ظلم تو کیا ہوتا ہے
اور بھی خوگر انداز جفا ہوتا ہے

جب کوئی شیفتۂ ماہ لقا ہوتا ہے
انگلیاں اٹھتی ہیں انگشت نما ہوتا ہے

عشق میں کون یہ کہتا ہے مزا ہوتا ہے
تلخیٔ موت سے بھی وہ تو ہوا ہوتا ہے

شرط لازم ہے کہ احباب کا دل صاف رہے
جس طرح آئینہ پابندِ صفا ہوتا ہے

ہم سے بھی فکر کا اور عقدۂ مشکل کا ہے ساتھ
کہیں ناخن سے بھلا گوشت جدا ہوتا ہے

ہوتا ہے ابرِ گہربار کا کانٹوں کو گماں
رہروِ دشت جو یہ آبلہ پا ہوتا ہے

خون ہو جاتا ہے ساقی تری میخواروں کا
حیف تیرے ہاتھ میں کچھ رنگِ حنا ہوتا ہے

جوشِ رحمت ہے ادھر کثرتِ عصیاں ہے ادھر
روزِ محشر بھی ہے اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

چارہ گر ناصحِ ناداں کی طرح ناداں ہے
مجھ سا بیمار بھی محتاجِ دوا ہوتا ہے

جان آ جاتی ہے پڑھتا ہے کلیجہ ہاتھوں
بھول کر بھی وہ مخاطب جو ذرا ہوتا ہے

بیوفائی کا تمہاری نہیں شکوہ مجھ کو
اور جو ہوتا ہے مقدر سے گلا ہوتا ہے

دلِ نالاں کو ہے کچھ دادرسی کی امید
لوگ کہتے ہیں کہ نالہ بھی رسا ہوتا ہے

غیر پر تیغ کھچے رشک سے ہم کٹ جائیں
امتحاں اہلِ وفا کا یونہیں کیا ہوتا ہے

کوچۂ یار سے ہوتی ہوئی آ جاتی ہے
ترا احسان یہ اے بادِ صبا ہوتا ہے

انکی محفل میں اشارہ جو برا مجھ کو کہے
ور لطف و عنایت وہ سدا ہوتا ہے

جب میں جانوں کہ وہ دل تھام کے خود آ جائیں
امتحاں آج ترا آہِ رسا ہوتا ہے

دل ٹھہر کتا ہوا تھم جائے جو ہاتھ رکھیں
یہ اثر ہوتا ہے جب دستِ شفا ہوتا ہے

اف رے ذوق ہدف ناوک قاتل یا ور
دل پکڑ لیتا ہوں گر تیر خطا ہوتا ہے

غزل

ان مہوشوں کو حسن جگر سوز گر دیا
آہوں میں عاشقوں کی بھی حق نے اثر دیا

منعم رہے حریص جو خالق نے زر دیا
کشکول کو گدا کے توکل نے بھر دیا

گر اُسکے دلکو ظلم سے قدرت نے بھر دیا
تیر اُس کو گر دیا تو ہمیں بھی جگر دیا

رحمت خدا کی تجھ پہ ہوا سے جوش انفعال
اشکوں نے میرے سرد جہنم کو کر دیا

اکدن بھڑک کی خانۂ ہستی جلائے گا
روشن رہا یونہیں تہ دامن اگر دیا

کام آوے بیکسوں کے کرو کچھ امور خیر
اے منعمو اسی لیے خالق نے زر دیا

دلکو جلا کے خاک کیا حسن و عشق نے
دو فتنوں نے برق کی صورت شرر دیا

افشائے راز وصل کہیں ہو یہ خوف تھا
اُس ہوشیار نے مجھے دیوانہ کر دیا

واعظ کو میکدہ ہے پئے وعظ اب پسند
اتنا تو حق نے بادہ کشی میں اثر دیا

انمول کہتے ہیں جسے خوبان دہر بھی
یہ کس کے نخل قد نے انوکھا ثمر دیا

جس میں ہمیشہ آپ کی الفت بسی رہی
اُس دلکو حیف آپ نے پامال کر دیا

ہنگامۂ نشور ہیں کرتا ہے کون جانچ | ہم نے تو لاکے دفتر اعمال دھر دیا
ساقی میں فیض چشم حقیقت سمجھ گیا | تو نے جو میرے جام سفالی کو بھر دیا
بل کھا کے زلف جب رخ روشن پہ آ گئی | حلقوں نے تیری زلف کے عکس قمر دیا
قاصر ہوں نہ بار سے بجا لاؤں شکر رب | مجھکو مری امید سے بھی بیشتر دیا
تل بھر جگہ رہی نہ مسرت کے واسطے | یوں رنج و غم سے اسنے مرے دل کو بھر دیا
رندوں کی بات کیا ہے امان زاہدا | دھکوں کا خوف دکھلی ہی جبکہ سر دیا
سینہ پہ ہاتھ رکھتی ہی تسکیں ہوئی مجھے | زخم جگر کو دست حنائی نے بھر دیا
پابوس ہو سکے نہ وہ دل قید میں جو تھے | گھونگر نے گیسوؤں کو جو بل تا کمر دیا
تو ایسا بد حواس ہوا رعب حسن سے | نامہ بھی میرا آہ نہ اے نامہ بر دیا
ہیں فیض ابر برشکال سے میخوار سب بچت | نیساں نے گر برس کے دیا تو گہر دیا
حکم قضا سے قتل ہوا ہیں تو ناصحا | الزام اس کی تیغ پہ بیکار دھر دیا

یاور کو اپنی طبع رسا سے گلہ رہا
مضموں نہ ایک بھی پئے اہل نظر دیا

غزل

میں اس بت پہ کیوں مبتلا ہو گیا | مجھے آج کیا اے خدا ہو گیا

کرو دل کیا خدایا یہ کیا ہو گیا | وہ مجھ سے خفا بے خطا ہو گیا

وہ کیوں ہائے مجھ سے خفا ہو گیا | قصور اس کا بندے سے کیا ہو گیا

جو ہونا تھا وہ ناصحا ہو گیا | بھلا ہو گیا یا برا . . . ہو گیا

میں سمجھا ہوئی مجھکو صحت نصیب | مرض جب ہرا وہ برا ہو گیا

پرستش تری کیوں عبادت نہ ہو | ترا عشق [illegible] شان خدا ہو گیا

بھبوکا ہوا وہ مجھے دیکھ کر | تو کچھ تیز رنگ حنا ہو گیا

نظر میں سمائے نہ شاہان دہر | تری در کا جب سے گدا ہو گیا

ادا میری قاتل کی دلکش جو تھی | میں خود اٹھ کے اس پر فدا ہو گیا

ستانے سے کیا فائدہ ہے تمہیں | کہوں کیا میں کس سے جدا ہو گیا

جو کل تک لگاوٹ سی کرتا تھا یاں | وہی آج مجھ سے خفا ہو گیا

مجھے لے چلا کوئے قاتل میں پھر | الٰہی مرے دل کو کیا ہو گیا

زلیخا چلی لاکھ . . . دامن کشاں | مگر داغ اک بدنما ہو گیا

اڑا لائی تو نکہت کوئے یار | یہ احساں ترا اے صبا ہو گیا

جو بے سنت خلق مجھ کو ملا | تو قالین مجھے بوریا ہو گیا

ہوئی گرمئی حشر یا دیر فرو | جو اک جام کوثر عطا ہو گیا

غزل

مرا دل جو تھا آپ کا ہو گیا
میں حیران ہوں کیا سے کیا ہو گیا

بڑھا قد تو محشر بپا ہو گیا
کچھ اب اور طرز جفا ہو گیا

دل اپنا کہیں مبتلا ہو گیا
جو قسمت میں تھا ناصحا ہو گیا

ادھر رخ جو قاتل ترا ہو گیا
مرا بس وہی خوں بہا ہو گیا

ترا جام گر غیر کا ہو گیا
مرا کام پھر ساقیا ہو گیا

جو دانا تھی چن چن کے بیا آئیں
یہ دور فلک آسیا ہو گیا

ملے وہ بڑھا اور شوق وصال
دوا سے مرض کچھ سوا ہو گیا

بچا ان کے تیر نظر سے جو دل
گرفتار زلف دوتا ہو گیا

گریباں کی سدھ ہے نہ گھر کا خیال
جنوں سے میں بے دست و پا ہو گیا

دل پہ پڑا تو جگر پہ لگا
نشانہ ترا اک خطا ہو گیا

پڑا رند جب دے کے روشن نگاہ
ترا آئینہ پر جلا ہو گیا

مری آہ نے کچھ رسائی تو کی
وہ نا آشنا آشنا ہو گیا

بگاڑا کوئی گھر سنوارا کوئی
عجب اس طفل کو کھیل سا ہو گیا

نئے ظلم ایجاد ہوتے ہیں روز
یہہ اچھا آئین مشغلا ہو گیا

تغافل کی حد ہو گئی دیکھئے
وہ کہتے ہیں وعدہ وفا ہو گیا

ترے عشق میں جان آخر گئی
ستم پیشہ تیرا کہا ہو گیا

نہ پوچھ آہ یاد آ رہے ظالم شرح
کہ وہ شستہ ادا پر فدا ہو گیا

غزل

اچھا ہی اگر صبر و سکوں دل میں نہیں ہے
جو لطف سفر میں ہے وہ منزل میں نہیں ہے

مقتل میں تمنا مجھے کس شوق سے لائی
پر آج ہی خنجر کف قاتل میں نہیں ہے

کیا پوچھتے ہو میری تمنا تم کو مجھ سے
ہے کونسی حسرت جو میرے دل میں نہیں ہے

رو دیتا ہے صیاد بھی سنکر مرے نالے
یہہ سحر بیانی تو عنادل میں نہیں ہے

میں کیوں کہوں عارض کو ترے چاند کا ٹکڑا
یہہ حسن یہہ ضو تو مہ کامل میں نہیں ہے

بے باک ہیں رندو نکو بُرا کہتے ہیں زاہد
تمیز اُسے کچھ حق و باطل میں نہیں ہے

اک وار کی بسمل اور طلبگار رہیں زاہد
تو سمجھا ہے جان اب تن بسمل میں نہیں ہے

تیرے خط و رخسار سے کیونکر ہو مقابل
یہہ نوک پلک تو مہ کامل میں نہیں ہے

چلتے ہوئی وہ تیغ نگہ دیکھی ہے ہم نے ‏ ‏ ہی عیان سی یا حسرت قاتل میں نہیں ہے

وہ تیغ نہیں جو نہ اُتر جائے جگر تک ‏ ‏ وہ زخم نہیں کام کا جو دل میں نہیں ہے

دل تشنۂ دیدار اور آغوش میں دریا ‏ ‏ اسطرح کی تشنگی لب ساحل میں نہیں ہے

شرمندہ مجھے کرتا ہے کیوں نشتر مژگاں ‏ ‏ اک خون کا قطرہ بھی مری دل میں نہیں ہے

ہاں کہنے سے تیری مجھے تسکین ہو کیونکر ‏ ‏ چہرے سے عیاں صاف ہے جو دل میں نہیں ہے

سیہ جہل پہ نادم ہے وہ ہے علم پہ نازاں ‏ ‏ اک وصف ہے ناقص میں جو کامل میں نہیں ہے

ای دل نہیں تو گل کی طرح زخم رسیدہ ‏ ‏ اب تیری جگہ دامن قاتل میں نہیں ہے

حیراں ہوں کہ ہے آپ میں وہ کونسی خوبی ‏ ‏ جو بات کسی حور شمائل میں نہیں ہے

اے قیس تری عشق نے رسوا کیا ایسا ‏ ‏ لیلیٰ تری اب پردۂ محمل میں نہیں ہے

ناقدری عالم نے یہ ہی قدر گھٹائی ‏ ‏ اب فرق ذرا ناقص و کامل میں نہیں ہے

پروانے ہیں بیتاب بہت دیکھنا یا در ‏ ‏ جز شمع کوئی اور تو محفل میں نہیں ہے

غزل

پوچھیگا حال کون بھلا اس غریب کا ‏ ‏ پھر ایک دل ملول کا آفت نصیب کا

خالی نہیں فراق ہمارے نصیب کا
ہے ساتھ انتظار کے دھڑکا رقیب کا

بیمار غم میں ضعف سے طاقت کہاں رہی
اب اُس سے اُٹھ سکیگا نہ احسان طبیب کا

آئیں نہ آئیں انکی خوشی کیوں گلہ رہے
کہدو کہ اُٹھ رہا ہے جنازہ غریب کا

دیکھا کہ ایک پھول میں بوئے وفا نہیں
گلشن سے دل اُچاٹ ہوا عندلیب کا

وعدہ شکن کی ہائے وہ غفلت شعاریاں
مرنا وہ انتظار میں حسرت نصیب کا

پایا نہ اسکو ہے جو رگ جان سے متصل
غفلت بعید کرتی ہے رشتہ قریب کا

دیکھا ہے جب سے اُس گل رعنا کو باغ میں
نالوں میں رنگ اور ہوا عندلیب کا

مجلس میں آئے بیٹھے تھے رندان مے گسار
منبر پہ جاکے فق ہوا چہرہ خطیب کا

واعظ اگر اٹھا دیکھ کے ساغر کو منہ کے بل
سینہ بھی مل گیا تھا سہارا جریب کا

نادر جہاں میں حضرت ضامن وہ فرد ہیں
روشن ہے جن سے نام جناب حبیب کا

غزل

پھر بہار آئی ہوئی گھر سے پریشانی مجھے
ابر کی ظلمت میں سوجھی خانہ ویرانی مجھے

کہہ رہے ہیں چمن میں مرغ بستانی مجھے
جانتے ہیں وہ کہ آتی ہے غزلخوانی مجھے

بندہ پیر مغاں ہوں میں کہ سکھلاتا ہے وہ
نشہ کے پردوں میں لاکھوں لن ترانی مجھے

حشر میں جا کر آنکھ کیونکر ہو کفن ہی بار دوش
کر گئی منت کش احباب عریانی مجھے

ظلم اسکا اور نہ تشنیع دیجائیگی لطف
سہل ہو جائیگی اے ناصح گرانجانی مجھے

نت نئی باتیں سنا دیں ہم جو وہ استاد ہیں
دیتے ہیں ہر روز تعلیم زبان دانی مجھے

پوچھ لو ان سے مری نالوں میں کیا تاثیر ہے
سیکھ نالہ مجھ سے ہوئے ہیں مرغ بستانی مجھے

ہے قفس کا در کھلا آیا کرے فصل بہار
ہو گئی زنجیر پا میری پریشانی مجھے

حشر تک تڑپا کیا زیر زمیں بھی اے فلک
گور ہے شاید نہیں فرق تن آسانی مجھے

آپ تو جائیں یہی تفریح میں بیٹھا رہوں
بندہ پرور یوں نہیں منظور دربانی مجھے

بحر عصیاں کی تلاطم میں رہا ہوں عمر بھر
گر بچائے گی تو رحمت کی فراوانی مجھے

جو انگلیں دل میں تصویر خواب زلیخا ہو گئیں
مل گیا تقدیر سے وہ یوسف ثانی مجھے

جب چمک اٹھی پرستاں آ گیا پیش نظر
ہو گیا زخم جگر نقش سلیمانی مجھے

کھا کے قسمیں روز آنے کا دلاتی ہو یقیں
پھر کبھو آتی نہیں جھوٹی قسم کھانی مجھے

سن چکیگا جب تو وہ کیا قیامت ڈھائینگی
اب بنا لیتی ہے اپنا انکی نادانی مجھے

حضرت عاشق کے گھر آتے ہیں جو میں اہل سخن
کھینچ لیجاتی ہے اے یاد سخندانی مجھے

غزل

قطرۂ خوں اگر کوئی میری رگ گلو میں تھا ۔ وہ بھی تو بیقرار تھا تیغ کی جستجو میں تھا

تیغ پہ اسکی تھا چڑھا جذب مرے لہو میں تھا ۔ حشر کا روز آگیا اور وہ شست و شو میں تھا

الجھا جو تھا کوئی گلہ ہائے نہ مجھ سے کیوں گیا ۔ غیر سے شکوہ گلہ ہوا لطف تو دو بدو میں تھا

غم نے کیا مجھے ہلاک دل بھی ہوا ہی [illegible] ۔ ہو گیا قصہ آج پاک میں اسی آرزو میں تھا

غیر کو ساقیا دیے جام پہ جام خود پئے ۔ جرعہ کوئی مرے لیے کیا نہ ترے سبو میں تھا

ہوتے ہی اس کا سامنا اشک میں جزر و مد ہوا ۔ ایک تلاطم آگیا جذب وہ ماہرو میں تھا

داغ جو معصیت کا تھا ساتھ ہی اسکو لے چلا ۔ کوچ کا وقت آگیا اور میں شست و شو میں تھا

زاہد خشک میکدہ آیا نہ کہ آب ہی پیا ۔ کچھ تو اثر شراب کا جام میں تھا سبو میں تھا

دیر میں دل کسی دیا کعبہ میں شیخ کھو گیا ۔ وقت گیا نماز کا دھیان بعد وضو میں تھا

تجھ سے چھٹا نہ لگا دل نہ مرا کہیں لگا ۔ غیر کے آپ میں کہاں لطف جو تیری تو میں تھا

عمر تمام ہو گئی کشتیٔ غم ڈبو گئی ۔ کلفت رنج دہ ہو گئی جس کی میں آرزو میں تھا

باتیں جو مجھکو کہنا تھیں لکھی وہ دل میں رہ گئیں ۔ محو بہت وہ نازنیں غیر کی گفتگو میں تھا

صاحب خلق گر مرا خلق میں نام تو رہا ۔ آب بقا وہ بن گیا آب جو آبرو میں تھا

لحن میں یہ اثر کہ جا مردہ کیا جلا دیا
نغمۂ دل زبانہ تھا سحر تری گلو میں تھا

یاور خوش مذاق بھی تھا تو عجیب آدمی
عمر کٹی تو یوں کٹی دوست میں تھا عدو میں تھا

غزل

ارمان ووریسی یوں اس دل کو دیکھتے ہیں
جس طرح آبلہ پا منزل کو دیکھتے ہیں

ابرو کو اس کے دیکھا اب دل کو دیکھتے ہیں
خنجر کو دیکھتے ہیں بسمل کو دیکھتے ہیں

مجنوں جو بدگماں ہے شیوہ یہ عشق کا ہے
اٹھ اٹھ کے کیوں بگولے محمل کو دیکھتے ہیں

دل پہلے ہی لیا ہے پہلو میں کیا دھرا ہے
اب کیوں پلٹ پلٹ کر بسمل کو دیکھتے ہیں

وہ غافل اور ناداں ہوتے ہیں کیا پشیماں
تخم بدی جو بو کر حاصل کو دیکھتے ہیں

ہو لاکھ بات اچھی دنیا نے قدر کب کی
کب قول پر نظر ہے قائل کو دیکھتے ہیں

شوخی بھی یا ادا ہی بچپن کا مقتضیٰ ہے
سینہ پہ ہاتھ رکھکر وہ دل کو دیکھتے ہیں

دریائے غم سے نکلیں اس کی امید کب ہے
ہاں ڈوبتے اچھلتے ساحل کو دیکھتے ہیں

زخم جگر میں ٹانکے کیا چارہ ساز دینگے
تکلیف کیوں اٹھا کر گھائل کو دیکھتے ہیں

کیوں عرض مدعا پر بدلیں نہ انکے تیور
عزت سے کب جہاں میں سائل کو دیکھتے ہیں

ہوتی ہے مجھے تسلی اپنا سا حال پا کر
ہم تشنہ کام جا کر ساحل کو دیکھتے ہیں

دل طالب عطا ہے تیری نظر خطا ہے
چشم کرم سے ظالم سائل کو دیکھتے ہیں

حسرت نگاہ اک بار ہے چھوڑا جو نیم جاں ہے
کس یاس کی نظر سے قاتل کو دیکھتے ہیں

دنیا نے کس کو پوچھا ناقص پہ منحصر کیا
کس قدر و منزلت سے کامل کو دیکھتے ہیں

ہیں سرفروش اکثر اب دیکھیے مقدر
ہم بھی تو آج یاور قاتل کو دیکھتے ہیں

غزل

اب تو ہیں شکووں کے دریا جوش میں آئے ہوئے
دیکھئے کھلتے ہیں کب تک ابر غم چھائے ہوئے

میکدہ سے زاہد و واعظ نکلوائے ہوئے
آئے ہیں پھر جرعۂ مے کا مزہ پائے ہوئے

بھولے ہیں راہ خرابات در للچائے ہوئے
شیخ صاحب تھے ہوئے مدت سے پھرتے ہیں گھبرائے ہوئے

راز افشا ہو نہ جائے جی کا یہ فکر ہے
دیکھتے ہیں آئینہ وہ آج شرمائے ہوئے

آنکھ کے ملنے کی تمنا میرے دل میں رہ گئی
خواب میں بھی وہ اگر آئے تو شرمائے ہوئے

عید ہو جاتی ہے ہم کو جب دکھاتی ہیں ہلال
عارض تاباں پہ گیسو ہیں لٹکائے ہوئے

سے تکلیں عاشق ناشاد کی دیں اٹھیں ہاں
آئے وہ آنچل کسی سینہ پہ ڈھلکائے ہوئے

اے خدا روز جزا ہے شرم تیرے ہاتھ ہے
پھر ترے دربار میں آئے ہیں بلوائے ہوئے

اُف ری شوخی اس گل رعنا کی سیر قبر پہ
پھول بھی لاکر چڑھائے ہیں تو مرجھائے ہوئے

پھر نہ مچلے اس کی محفل کیلیے یہہ خوف ہے
لے تو آئے ہیں دل ناداں کو بہلائے ہوئے

فاتحہ پڑھکر ہوئے احباب رخصت قبر سے
رہ گئے ہیں پھول کچھ تربت پہ کمھلائے ہوئے

کیوں خدا آئیگا وہ دن بولیں پھول تیری نماز
ہو کوئی دامن بچھائے سر کو نیوڑائے ہوئے

قبر کے محتاج شاہنشاہ گذری خلق سے
رہگئے دنیا میں سب دیوان شوائے ہوئے

کھینچ لایا حضرت اعظم کو ہم تک جذب عشق
محفل رنداں میں کب آئے ہیں بلوائے ہوئے

پیٹ پیچھے کیا شکایت منہ پہ کیجئے گی
اسقدر نالوں سے میری تنگ ہمسائے ہوئے

خلق بھی چلتا ہوا جادو ہی شک اسمیں نہیں
ہمنے یہہ دیکھا کہ اغیار اپنے ہمسائے ہوئے

انکو مکروہات دنیا کی بھلا کیا فکر ہے
سو رہے ہیں قبر میں جو پاؤں پھیلائے ہوئے

ظلم انکے دیکھیے بے اعتنائی دیکھیے
کلبۂ احزاں سے گذرے راہ کترائے ہوئے

بس گئے تھے اس گل خوبی کی خوشبو سے جو شب
چن لئے بستر سے ہم نے پھول کمھلائے ہوئے

چن کے افشاں بام پر اپنے کوئی آیا تو ہو
دیدۂ چرخ بریں ہیں آج پتھرائے ہوئے

آہ ای یاور انھیں کیا قوم کا ہوگا خیال
اینڈتے پھرتے ہیں جو دنیا میں اترائے ہوئے

غزل

دیکھ لو اک نظر او آنکھ چرانیوالے
نیچی نظریں کئی منہ پھیر کے جانیوالے

آفریں ہی تجھے او لاش پہ آنیوالے
جھوٹے وعدہ کا یقیں مجھکو دلانیوالے

سبزہ رنگوں پہ نہ جا ای دل ناداں ہشیار
وہ ہیں بھولے کی طرح آنکھ چرانیوالے

دوست وہ ہیں جو بری وقت میں کام آتے ہیں
نہیں غیروں کی طرح آنکھ چرانیوالے

سرد مہری سے نہوں گرم سخن وہ تو کیا
ناز و انداز تو ہیں دل کو لبھانیوالے

پوچھتے کیا ہو شب ہجر کٹی ہے کیونکر
وہم سو طرح کی آتے تھی ستانیوالے

سنگ اسود کی ہی صورت شب فرقت میری
ملک الموت نہیں گھر مرے آنیوالے

نظر لطف نہیں گر نہ سہی دیکھ تو لو
پس دیوار رہیں کچھ جان گنوانیوالے

سرو دیتی ہے جگہ سر پہ سدا قمری کو
یوں نبھاتی ہیں مری جان نبھانیوالے

حرف کیوں آنے لگا انکی مسیحائی پہ
ناصحا زخم جگر کب ہیں بھر آنیوالے

لحد عاشق محزوں پہ سب نے حسرت پایا
رہ گئے دل میں جو ارمان بر آنیوالے

وعدہ ایفا نہیں وہ تو عجب کیا اسکا
شام تک صبح سے درس انکو سکھانیوالے

ہیں تو بیہوشی پہ ہشیاری کو قرباں کر دوں
خلد بریں زلف اگر تم ہو سنگھانیوالے

جان سی اُٹھا ہوا بیٹھا ہی اک ندیمی دیکھ — ارے منہہ پھیر کے غیروں کو بلانیوالے

طیر بھی فضل سی خالق کی نہیں دست نگر — اپنی منقار سے بچوں کو بھرانیوالے

نقش بیا خلق میں جو چھوڑ گئے ہیں اپنا — نام کب اُنکے حوادث ہیں مٹانیوالے

ان نئی روشنی والوں سے کہیں کیا باور

یاد کیوں آتے ہیں وہ اگلے زمانیوالے

غزل

تیری دیوانہ کی اشکوں کا یہہ عالم ہو گیا — آنکھ سے قطرہ جو ٹپکا آبِ زمزم ہو گیا

یہہ نہ سمجھے تھے کہ دلکی ساتھ ہی جائیگی جان — غم مقدر میں جو ہونا تھا وہ پیہم ہو گیا

دیدۂ موسیٰ کجا اور جلوۂ جاناں کجا — اک جھلک دیکھی کہ بس سکتہ کا عالم ہو گیا

اسکو شیریں سے رہا مجھکو لب شیریں سے عشق — مجھسے اور فرہاد سے یوں ربط باہم ہو گیا

تم نے کیں زلفیں پریشاں آئینہ کے سامنے — اور تمھاری چاہنے والوں میں ماتم ہو گیا

اے مسیحا اک فقط دلکی تسلی ہی نہیں — ہاتھ سینہ پر جو رکھا درد بھی کم ہو گیا

حشر کے دن آرزو نکلا جو لشکر ساتھ تھا — میری آہوں کا دھواں رایت کا پرچم ہو گیا

دیکھ اے قاتل نہ مجھکو نیم بسمل چھوڑنا — لوگ کہہ بیٹھینگے یہہ ظالم تو اظلم ہو گیا

مجھکو شکوہ ہے کہ دل اسکا ہے مائل غیر پر
اُسکو غصہ ہے کہ راز دل سے محرم ہو گیا

اپنے گھر بیٹھے سر اک کی میں سمت دیکھ لی
سیر کشکول گدائی ساغر جم ہو گیا

میں تو زندہ ہو گیا مر کر چھٹے افکار دہر
زخم دل کیواسطے غم بڑھکے مرہم ہو گیا

شب کی خبر ہیں دور رہا تھا اشک چشم عندلیب
عارض گل پر جو وقت صبح شبنم ہو گیا

انقلاب دہر کا کیا اثر پیدا ہوا
جلسۂ احباب کیا بن بن کے برہم ہو گیا

لجۂ عصیاں کو دامن کی ہوا کردیگی خشک
اک ذرا اشک ندامت سے اگر نم ہو گیا

تم بھی اے یاور بڑے ناعاقبت اندیش ہو
کیوں شکایت کی مزاج یار برہم ہو گیا

غزل

جانا وہ موںہہ پھیر کے تغافل شعار کا
آنا وہ ٹوٹ کر دل بے اختیار کا

پشتارہ لے چلا ہوں گناہوں کے بار کا
ہے آسرا تو رحمت پروردگار کا

نقشہ کہ اڑا لیا ہے جو تصویر یار کا
عالم کچھ اور ہی ہے دل بیقرار کا

آیا نہ فاتحہ کو کبھی سنگدل ادھر
پتھر گواہ ہے مرے لوح مزار کا

کیسی نجات مل گئی افکار دہر سے
اہل جنوں کو راس ہے موسم بہار کا

پانی برس برس کے دباتا ہے خاک کو — لیکن علاج کچھ نہیں دل کے غبار کا

بیمار ہجر گنتا تھا گھڑیاں وہ آ گئے — وقت آ گیا خود اپنے نفس کے شمار کا

شرمندۂ سلوک نہوں پاس وضع ہے — کیوں بیکسی نشاں بتلائے مزار کا

سوزش ہی بعد مرگ بھی سینہ کے داغ میں — بجھ کے کہیں چراغ نہ میرے مزار کا

بچھڑی ہوؤں کی یاد دلانے سے فائدہ — قاصد نہ مجھ سے پوچھ پتہ کوئے یار کا

ای جذب دل نہ غیر کی جانب وہ رخ کریں — ناوک فگن کو شوق ہوا ہے شکار کا

عاشق ترے کبھی تو ہیں کعبہ کے طوف میں — میلہ منا رہے ہیں کبھی ہردوار کا

زانو سے آئینہ نہیں اٹھتا شب وصال — ظالم کو وقت خوب ملا ہے سنگھار کا

ساقی پلا کے غیر کو آیا ادھر تو کیا — مشکل ہے جوڑنا قدح بادہ خوار کا

سفر کر رہی ہیں اور اتنی سمجھ نہیں — کیا اعتبار دولت ناپائدار کا

تار نفس سے آئی صدا الرحیل کی — ٹوٹا جو ساز زندگی مستعار کا

استادہ ہے جو سرو تو نرگس کشادہ چشم — دونوں پہ ایک سا ہے اثر انتظار کا

آؤں نہ خاک ہو کے بھی دنیا کی پیچ میں — مشکل ہے گردباد میں اٹھنا غبار کا

کس کشمکش میں عاشق آشفتہ حال ہے — وہ اختیار کے ہیں نہ دل اختیار کا

واقف ہے قبر میں جو غلام ابو تراب — یاد ہیں تو خوف نہیں کچھ فشار کا

غزل

اُسمیں گر عشق کا شعلہ نہ پر افشاں ہوتا
عالم افروز نہ خورشید درخشاں ہوتا

تجھسا دنیا میں نہ گر بے سر و ساماں ہوتا
ایسا حیران نہ ہوتا نہ پریشاں ہوتا

قطرۂ اشک ندامت کا بھلا کیا کہنا
یہہ اگر آنکھ سے گرتا دُرِ غلطاں ہوتا

اسقدر تو نہ اگر حسن پہ نازاں ہوتا
آئینہ بزم میں اسطرح نہ حیراں ہوتا

اپنے ماحول سے لیتا جو وہ جبرت کا سبق
اسطرح لایق لاحول نہ شیطان ہوتا

ظلم کا اپنے وہ اقرار نکرتا نہ سہی
کاش وہ عہد شکن دل میں پشیماں ہوتا

دیکھئے ہم سبھی کدھر جاتے ہیں محشر والے
پاس جنت کے کہیں کوچۂ جاناں ہوتا

تیرے دیوانوں کا ہوتا جو نہ دنیا میں وجود
نہ گلستاں کوئی ہوتا نہ بیاباں ہوتا

دل لیے اُس سے چلو رات گئی بات گئی
کاش اس دلمیں کوئی اور نہ ارماں ہوتا

دل مرا شوق میں خود بڑھ کے نشانہ بنتا
تیری چتون سے جو نکلا ہوا پیکاں ہوتا

شیخ جی آئے تو ہیں جبہ و دستار کے ساتھ
لطف تھا آج اگر مجمع رنداں ہوتا

تا وک اسکا نہ رہا قلب میں دانائی کی
دوستی دل سے جو کرتا تو پشیماں ہوتا

بار یابی تیرے ہی ہوتی تو مزا تھا زاہد
دل تو دل زہد تیرا نذر حسیناں ہوتا

اہل جنت یہہ سمجھتے کہ ہی صبح محشر
تیرا عاشق جو وہاں چاک گریباں ہوتا

جانتا کوئی جو اس دہر کو آرام کی جا
بطن مادر سے جدا ہو کے نہ گریاں ہوتا

میری قسمت کی مساعد جو یہہ دنیا ہوتی
اک نیا میرے لئے عالم امکاں ہوتا

نظم کی قدر زمانہ میں دو بالا ہوتی
مثل غالب جو کوئی آج سخنداں ہوتا

بھیس میں آج فقیروں کے گیا تھا یا در
کاش یوں ہود و الطاف فراواں ہوتا

غزل

حیرانیاں ہوئیں کہ پریشانیاں ہوئیں
جب آئیں میرے گھر میں تو مہمانیاں ہوئیں

پہلے تو راہ عشق میں آسانیاں ہوئیں
آخر میں مشکلیں ہوئیں حیرانیاں ہوئیں

جامہ میں کب سماتا تھا سراپا ہو فراخ
غصہ جب آ چکے تو پشیمانیاں ہوئیں

زنجیر اشک پڑ گئی پائے نگاہ میں
دست فرہ سے سلسلہ جنبانیاں ہوئیں

مائل ہو غیر پر یہہ گوارا نہ تھا انہیں
زلفوں میں میرے دل کی نگہبانیاں ہوئیں

مد مقابل اپنا جو دیکھا نہ تھا کبھی
آئینہ انکو دیکھ کے حیرانیاں ہوئیں

صورت نے انکو شہرہ آفاق کر دیا
پردہ میں لاکھ نگہبانیاں ہوئیں

اشکوں کا مینہ برسنے سے خالی ہوا نہ دل
[illegible]

یوسف جمال تم سا زمانہ میں کب ہوا
[illegible] حسن میں ارزانیاں ہوئیں

صحرا میں ہیں کبھی تو کبھی کوہ و دشت میں
کیا اس جنوں میں بے سر و سامانیاں ہوئیں

محراب کعبہ کہتے ہیں اُن ابروؤں کو لوگ
تیغ نگہ سے سیکڑوں قربانیاں ہوئیں

مائل ہوا ہے سیر چمن پر وہ گلعذار
مقبول بلبلوں کی خوش الحانیاں ہوئیں

جو جی میں آیا کہہ لیا کل آپ نے ہمیں
اور آج آپ کی بھی ثنا خوانیاں ہوئیں

بے باک و شوخ ہو گئی کچھ آتے ہی شباب
گو بچپنے سے لاکھ نگہبانیاں ہوئیں

مقطع

اظہار عشق کر دیا دل جب پہ آ گیا
یاور تمہارے دل سے یہ نادانیاں ہوئیں

سہرا

دل اپنے نذر کر دیں دیکھیں گر حبیب سہرا
بنا نوشاہ کی حسن حسن سے کیا حسین سہرا

کجا تار شعاعی اور کجا یہ پرتگیں سہرا
بڑھا کر آج نکلے شرق سی مہر مبیں سہرا

بنا آخر کو آویزہ مرا دل گوش نوشہ کا
ادھر تھی زلف دلکش اور ادھر تھا دلنشیں سہرا

کبھی چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہوگا دنیا میں
بنا ہے مہروش دولھا کا ایسا مہ جبیں سہرا

یہہ اس باغ جہاں میں آج کس گلرو نے باندھا ہے
نہیں پھولوں سماتی گوندھ کر مالن حسیں سہرا

محبت کا ہے مرکز آرسی مصحف کشش مینا ہے
بنے کا دلربا سہرا بنی کا دلنشیں سہرا

ملائک مشتری ہو جاتے ہیں منہہ سی پھول جھڑتے ہیں
جو گاتی ہے کوئی زہرہ شمائل نازنیں سہرا

سعادتمند بیٹی کو دعا ماں باپ دیتے تھے
وہ دن آیا کہ یہہ دولھا بنے باندھے یہ سہرا

ہوا ہے سرنگوں پایا جو تجھکو آسماں رفعت
جھکا پڑتا ہے اے نوشاہ بالائے زمیں سہرا

کشش دلکی مجھے کھینچتی ہے دریائے تحیر میں
مگر کچھ ڈال ڈورا ہے بوئے زلف عنبریں سہرا

ترا باغ جہاں میں آج یاور ہو گیا شہرہ
گل مضموں سے گوندھا خوب تو نے بالیقیں سہرا

غزل

حشر میں ساتھی عزیز و مہرباں کوئی نہیں
ہے فقط اعمال وقت امتحاں کوئی نہیں

ساتھ اپنے سب امنگیں لے چلا عہد شباب
میں ہوں اب اور غیر گرد کارواں کوئی نہیں

ایکسو دیکھی ہے کہ اتنا سا نہیں دل رکھ دی
اب کسی سے تجھکو اتنا ناتواں کوئی نہیں

چشم جاناں کی نقاہت کی بھی ہر شئی ہے بہت
اس دل نازک سے بڑھکر ناتواں کوئی نہیں

بادۂ سرجوش نے پیدا کیے لاکھوں حباب
شیشۂ دل سے زیادہ ناتواں کوئی نہیں

ہم ہو لب پہ تیرا نام اور بالین پہ تو
اور حسرت ایسا پاس جاں کوئی نہیں

آنکھ میرے درمیاں ہے فیصلہ کیونکر بھلا
انصاف ساری خدائی میں بیاں کوئی نہیں

قیس اور فرہاد بیٹھے تھے خدا بخشے انہیں
اب مرا ہمداستاں اور ہمزباں کوئی نہیں

قبر میں آرام چین سے سوتی ہیں گردش سے چھٹے
تختۂ مشق اب ترا اے آسماں کوئی نہیں

ہو سرائے دہر میں کیا زندگی کا اعتبار
امن میں اس آفت سے پیر و جواں کوئی نہیں

فکر سے ہے کون خالی شاہ ہو یا ہو گدا
چار دن کی زندگی میں شادماں کوئی نہیں

کیا زن و فرزند سے انسان کچھ رکھے امید
اپنے مطلب کی ہیں سب آرام جاں کوئی نہیں

ہیں کبھی اسپند مجمر ہوں کبھی شمع لگن
مجھسا بزم یار میں آتش بجاں کوئی نہیں

غیر سے ملنا مری جاں ترک تو کرتی نہیں
پھر یہ کہتی ہے کہ تجھسا بدگماں کوئی نہیں

مال دنیا پاس ہو تو جھک کے ملتا ہے ہر ایک
عالم عسرت میں یاور مہرباں کوئی نہیں

غزل

چاہنے والوں میں یوں عالم رہے — جاں نثاروں میں تو اُنکے ہم رہے

تیغ قاتل میں نمک یا سم رہے — زخم دل میرا نہ بے مرہم رہے

نقش پا سایہ کا سب سمجھا کیے — یوں لپٹ دیوار انکی ہم رہے

درد و غم اپنے سدا ہمدم رہے — ان کے گردیدہ اسی سے ہم رہے

ملکے غیر دل سے ہوئیں رسوائیاں — آپ ہم پر بے سبب برہم رہے

سخت جانی ہم بھی دکھلا دینگے آج — تیغ قاتل میں اگر کچھ دم رہے

کر گئی کیا پاؤں میں زنجیر اشک — لخت دل جو آتے آتے تھم رہے

میں پیئے جاؤں دیے جا ساقیا — جب تلک ہونٹوں پہ میرے دم رہے

اور اک عالم کی ہو مجھکو تلاش — کلمہ گو تیرا اگر عالم رہے

دل کے بہلانے کو میرے لگے ساتھ — حسرت و حرماں و درد و غم رہے

سب ہی یکساں قبر ہیکس کے لئے — دھوپ ہو یا چادر شبنم رہے

چل بسے کیسے جہاں سے نامور — کس کا ماتم اور کس کا غم رہے

شاخ گل ہے جلوہ گاہِ آفتاب — کہدو باہر باغ کے شبنم رہے

کیوں نہ منہ اشکوں سے دھوے عندلیب
عارض گل پر اگر شبنم رہے

سبزہ زردیوں پر سدا مرتے تھے ہم
قبر پر بھی چادر شبنم رہے

چادر کمخواب مرقد پر نہو
کیا حرج گر چادر شبنم رہے

ہو گئے مفقود ارباب کمال
قدرداں دنیا میں جسدم کم رہے

ہے امید وصل یوں فرقت کیساتھ
جسطرح شادی غمی توام رہے

رہکے دنیا میں پڑے آلام اور
وہ بہت اچھے رہے جو کم رہے

مدح خواں ہم سا نہو گا خلق میں
قدرداں یوں سا آپ کا عالم رہے

ہے تقاضہ انقلاب دہر کا
ہو کہیں شادی کہیں ماتم رہے

بیکسی پوچھو نہ ان اشکوں کی کچھ
تخل مژگاں تک جو آکر تھم رہے

آ گئے کچھ کام میرے اشک غم
زخم دل کے واسطے مرہم رہے

کہدیا سب ہمنے اپنا راز دل
آپ کے وعدے مگر مبہم رہے

کب چھپے برگشتگی بخت سے
مطمئن کب خلق میں اک دم رہے

چاہئے یاد رہے تجھے شرم گناہ
آنسوؤں سے آستیں پرنم رہے

غزل

بوئے گل بھی آگئی تو پھر کے دیکھا سوئے دوست
بس گئی میری مشام جاں میں البتہ بوئے دوست

دل پہ تلواریں لگاتا ہے خم ابروئے دوست
کھینچتا ہے دار پر حسن قد دلجوئے دوست

روئے روشن کی تمناؤں کو کرتی ہے بہا
ہجر کی شب کو بڑھا دیتے ہیں گیسوئے دوست

اب کوئی خوش چشم آنکھوں میں سماتا ہی نہیں
کھب گئی میری نظر میں نرگس جادوئے دوست

دلکے ٹکڑے ہی اڑ گئے اس کو پشیماں دیکھکر
ہائے کیوں حسرت سے مرتے وقت دیکھا سوئے دوست

اسکے دن اچھے اسکی صبح اچھی صبح ہے
دیکھکر اٹھے کوئی یا آنکھ دیکھے روئے دوست

ہیں اقارب دہر میں اخوان یوسف کیطرح
دوست ہیں دنیا میں لیکن ڈھونڈت بازوئے دوست

وقت آخر ہے تمناؤں کا ہے اب خاتمہ
یاس کو کیا منہ دکھاؤں رہ گئی زانوئے دوست

جی بہلتا ہے یہیں گر دم نکلتا ہی نہیں
باغ رضواں میں نہ جاؤں چھوڑ کر میں کوئے دوست

پھول رکھے ہیں قفس پر کیوں لئے عندلیب
فائدہ کیا یوں اگر دل بھی گیا پہلوئے دوست

دہر میں یار و مخالف بھی ہیں حلقہ بگوش
چاہیے دشمن سے ملنے میں بھی نکلے خوئے دوست

برائے انجمن اتحاد خاندان

بیاں کس سے مصیبت کیجئے اے حسین اپنی
ادھر سے آسماں دشمن ادھر دشمن ہے سیا اپنی

اگر زندہ ہی رہنا ہے تو مرنے پہ ہو جاؤ
جھکے جاتی ہو کیوں اتنا دبی جاتی ہو کیوں اتنے
گری نظروں سے تو گر ہی جاؤ گی سنبھل جاؤ
فلک بھی ناموافق ہی ہوا بھی کچھ مخالف ہے
سنا ہی وہ نہیں سنتی سنائیں کسکو پھر جاکر
تمنا ہی کہ اب کی فصل گل آئی تو یوں آئے
اگر ہمت نہ ہاروگی قدم پیچھے نہ سرکے گا
دبائی جائینگی اغیار دیتے جاؤ گے جتنا
ہوا کچھ ناموافق ہی تلاطم بڑھتا جاتا ہے
جو کہتا ہوں وہ سن لو یاد رکھو بھول جاؤ گے
زمین انجمن کو آسماں سے جا کے ٹکرا دو
پرو لو ایک ہی رشتہ میں سب بکھرے ہوئے موتی
عجب طوفان برپا ہے قیامت کا تلاطم ہے
اگر ہی اسکو برا کہتا ہے کوئی اسکو کہتا ہے
نہ کچھ خوردوں کی سنتے ہو نہ کچھ مطلب بزرگوں سے

اشارہ کر رہی ہے یہ اٹھاؤ رہنما اپنی
جھکاؤ غیر کے چوکھٹ پہ کیوں آخر جبیں اپنی
گنوا دینا نہ عزت ہاتھ سے اپنے کہیں اپنی
الٹ دیگا زمانہ اب الٹ لو آستیں اپنی
اگرچہ کان تک پہنچی کبھی آواز حزیں اپنی
گریباں ہاتھ میں اغیار کا اور آستیں اپنی
بڑھی جاؤ سمجھ لو آسماں اپنا زمیں اپنی
ذرا ہوشیار ہو جاؤ الٹ لو آستیں اپنی
لگا ہے خوف ہو جائے نہ کشتی تہ نشیں اپنی
بہت دشواریاں ڈالے گی ہاں اپنی نہیں اپنی
کرے اس سرزمیں کا آسماں اپنا زمیں اپنی
دکھاتی ہیں چمک اک سلک میں در ثمیں اپنی
ڈبو دینا نہ اپنے ہاتھ سے کشتی کہیں اپنی
شکایت ہر زباں پر ہے کہیں انکی کہیں اپنی
حدیث و آیہ کیا سمجھی ہوئی ہو آں و ایں اپنی

اگر تمھیں ہوئی ہے دو نخوں نے ہریلا اثر پھیلا ۔ ‏‏ سمجھ لو خار بن جائیگی پھر یہ گلشن اپنی

قرار اُنھیں کوشش کی تو کمزوری عیاں ہو گی ‏‏ جو سب یکدل ہوئے بڑھ جائیگی قوت کہیں اپنی

اولو العزمی سے اپنی منزل مقصود تک پہنچو ‏‏ سدا ہو گام زن ملکر نظر ہو دور بیں اپنی

نہ پیچھے مڑ کر دیکھو سامنے اپنی نظر رکھو ‏‏ قدم بڑھتے ہی جائیں جب الٹ لو آستیں اپنی

خدا دیگا تمھیں ہر شے اگر لینے کی ہمت ہو ‏‏ سمجھ لو خوب تم ہے آسماں پیما زمیں اپنی

نہیں محبوب سے ہمت اسکے دلسے شیدا ہیں ‏‏ وہی ہے دلربا اپنی وہی ہے دلنشیں اپنی

کیا ہے عزم گر تو پائے استقلال بھی رکھو ‏‏ ہنسی ہونے نہ پائے مہرباں دیکھو کہیں اپنی

سفر ہے دور کا اور راہ میں لاکھوں جھمیلے ہیں ‏‏ نہ ہونے پائے منزل پر پہنچنا کھوٹی کہیں اپنی

تم اُسکو چھوڑ بیٹھو کیا مناسب ہے یہی تم کو ‏‏ کہو انصاف سے کیا انجمن یہ ہے نہیں اپنی

یقیں جانو تمہاری یاد کا باعث یہی ہوگی ‏‏ نشانی چھوڑ جاؤ گے جو وقت واپسیں اپنی

تمہارا نقش پا اک رہنما ہے آنے والوں کو ‏‏ بہک جائیں نہ سیدھی راہ دیکھو ہمنشیں اپنی

لو میں اخلاق کی پرتو سے روشن انجمن کر دو ‏‏ شعاعیں ڈالتا ہے جسطرح مہر مبیں اپنی

صداقت سے انجمن ہوتی ہیں قیمتی دیکھ ہی لینا ‏‏ چمک دکھلائیگی اک روز یہ ورشیں اپنی

اگر یہ انجمن لوٹی تو ہوگا مضحکہ تم پر ‏‏ کریگی خلق میں رسوا نگاہ شرمگیں اپنی

غنیمت جان لو ان بیٹھنے کو کیا خبر کل کی ‏‏ ذرا دل تھام کے سن لے ادھر کو ہمنشیں اپنی

کلید کامیابی اتفاق باہمی سمجھو
تمھیں لازم یہی ہے بھول جاؤ آن و بان اپنی

یہ لازم ہے رہو تم ہم زباں ہم داستاں ہو کر
سنا ہے ہم کہیں رہیں جو وہاں اپنی نہیں اپنی

یقیں ہے تم کو یہ آجائیگا جو دور تم سے ہے
پہنچ جائیگی کانوں تک ہو آواز حزیں اپنی

تم استاں کا درس بھی یاد نہ پھر چھوڑ دو
ہے ایسا استاں یاد و اٹھا گئے یوں حبیب اپنی

قومی نظم

قوم کے واسطے اگر مدرسہ ہم بنائینگے
بگڑی ہوئی ہے ہمارے کام دیکھنا پھر بن جائینگے

کالج و درسگاہ جب ہمنے بنا لیا تو پھر
شوق بڑھا کر قوم کا علم و ہنر سکھائینگے

پہلے نجف کو جائینگے باب علوم ہے وہاں
خاک مزار بوتراب وہاں سے اٹھا کر لائینگے

خاک شفا ملائینگے وہ بھی بہت قریب ہے
سرمۂ چشم کو دکان لاکر اسے بنائینگے

جہل کا جائیگا مرض علم کا نور آئیگا
آنکھ پھر ان سے دیکھنا دیکھ کر سب ملائینگے

ملک کی فخر ہونگے یہ قوم کے ہونگے رہنما
دیں کی ہونگے پیشوا آنکھوں پہ ہم بٹھائینگے

ہو رہا بحر جہل کا خوف رہے گا ہم کو کیا
خود ہی ناؤ قوم کی نکر سے کھینچ لائینگے

علم سے ہونگے بہرہ ور قوم کے ہونگے راہبر
حادثۂ زمانہ سے ہم کو یہ خود بچائینگے

ہیئت وعلم ہندسہ جر ثقیل وکیمیا | منطق فلسفہ ادب شوق سے ہم پڑھائینگے
فقہ حدیث علم دیں درس میں انکے آئیگا | السنہ علوم پر سکہ یہہ خود جمائینگے
حرب کا علم سیکھکر ضرب سے ہونگے باخبر | جہل کی بت کو توڑ کر آگے قدم بڑھائینگے
علم و ہنر کی نعمتیں جن پہ کہ ہم کو ناز تھا | کھوئی ہوئی وہ دولتیں ہاتھ میں اپنے لائینگے
علم اسے ہے ہر ایک شی جنگ ہو یا کہ صلح ہو | اسکو نہ سمجھے ہم اگر ملک کو ہم گنوائینگے
جر ثقیل وکیمیا ہوگا جب اپنا مشغلہ | آلۂ جنگ نت نئے شوق سے ہم بنائینگے
ریل ہو یا جہاز ہو توپ ہو یا تفنگ ہو | سب ہیں کرشمے علم کے آپ کو ہم دکھائینگے
علم سے ہوں جو بہرہ ور دشمن دیں ہو خیرہ سر | برق کی قوتوں سے ہم حشر جہاں میں ڈھائینگے
بڑھتی رہینگی قوتیں زور پہ ہونگی قدرتیں | ہاتھ لگینگی نعمتیں تاروں کو توڑ لائینگے
تاج کے ہم ہیں باوفا صدق سے ہم ملیں صفا | ملک کے واسطے سدا جان کو ہم لڑائینگے
علم سے ہے غرض کہ وہ جسکی ہے ہر جگہ نمود | آگے ہر ایک شی میں ہم اسکا لگاؤ پائینگے
گلشن دہر میں یہہ باغ ہمنے لگا لیا اگر | پھول بھی اسمیں آئینگے پھل بھی ہم اسکا پائینگے
روح میں اس سے تازگی چشم میں اس سے روشنی | قلب کو ہوگی وہ خوشی پھولوں نہ ہم سمائینگے
باغ علوم کے چمن ہم کو دکھائینگے پھبن | پھول بھی پھر چنینگے ہم لطف بھی ہم اٹھائینگے
سرور دانِ قوم جب سیکھ کے علم اور ادب | سعی کرینگے سب کے سب پھول نئے کھلائینگے

تازہ نہال بوستاں جائینگے بہر امتحاں | سینہ کی علم اور زبان خاص یہہ پائینگے

قطعۂ تاریخ فی البدیہہ بوفات جناب بیدر ووددود احمد خاں صاحب نعمانی مرحوم

جمعہ ماہ رجب چہاردہم
گشت آں بدر علم و فضل نہاں

سی و شش یکہزار و سہ صد بود
سنہ ہجری کہ رفت از جہاں

یک بہ یک از نمود وجع القلب
کرد پرواز طیر روح رواں

کلک یاور نوشت سال وفات
درجہاں شد وددود احمد خاں

سنہ ۱۳۳۶ھ

قطعۂ تاریخ

یہہ دیوان عزیز جہاں کا ہی یادگار
کہ ہے یہہ ریاحین مضموں کا بستاں

نکات اس میں اکثر مواعظ کے دیکھے
بھرا کوٹ کر ہے کہیں رنگ عرفاں

تغزل میں ہے رمز عشق الٰہی
تعشق کا خوبی سے ہے رنگ پنہاں

ہر اک شعر ہے چست بندش میں اپنی
طبیعت نہیں سست مضموں کی یاں

نشست اپنی موقع سے الفاظ کی ہے | کہ لطف زباں سے زمانہ ہے حیراں

یہہ مصرعہ ہے تاریخ کا بے تکلف
ہے بے مثل دیوان ہے بے مثل دیواں
۱۳۳۶

دیگر

دیوان عزیز خوش بیان کا | ہے طرۂ تارک فصاحت
یاور نے لکھا یہہ سنہ بہ تکرار | دیوان عزیز کا ہے زینت

قطعہ

نام سلطان جہاں بیگم تھا جنکی تھیں کنیز | چل بسیں طاعون میں یہہ سیدہ عالی نژاد
تیرہ سو چھتیس ہجری کی غرہ ماہ ششم | روز سہ شنبہ گذر کر دن بجے خوش اعتقاد
مرگئیں دنیا سے رحلت تین بچے چھوڑ کر | اپنی ماں اور باپ کی تنہا یہی تھیں نامراد
والد ماجد ہیں مرحومہ کے نثار حسین | ہیں وکیل ہائیکورٹ اور سید والا نہاد
سنکے رضواں سے لکھا یاور نے یہہ سال وفات | خلد میں ہیں کامران الہیٰ زین العباد

مسرّتی یاد

ہیں فریدوں بھی کہ ہی دوست اک عالیمقام
دم بھرا کرتے ہیں الفت کا انھیں کی خاص عام

گلشن احباب میں سرسبزئہ تازہ بالاکلام
انکا مسکن قلب ہی جسمیں سایہ رہتی ہیں مدام

سنگکاریڈی میں نظیر انکی نہیں یہہ ایک ہیں
راست بازو باوفا خوش خلق ہیں اور نیک ہیں

فن تعمیرات میں کیسی ہیں یہہ کیا ہو بیاں
ہوں حوادث لاکھ کیا کیسے اثر ہوگا وہاں

دوستو انکے دلمیں مستحکم بناتی ہیں مکاں
نیو میں پتھر کی جا پر مہر و الفت ہے جہاں

یاد انکی دلمیں دائم رہے گی دیکھنا
یہہ عمارت عمر بھر قائم رہے گی دیکھنا

کیا مقابل ہوگا دنیا میں کوئی انجینیر
موم کر دیتا ہے جو پتھر کا کوئی قلب و جگر

دشمنوں کی دلمیں بھی اپنا بنا لیتی ہیں گھر
کوئی آفت دوست پہ آئے تو ہیں سینہ سپر

دوستی کی ہیں دھنی دل دادہ احباب ہیں
انکی الفت کے کرشمے خلق میں کمیاب ہیں

انکے باعث سے کلب میں ہیں بہت سی بیبیاں
سچ اگر پوچھو کلب کی ہیں یہی روح رواں

ٹینس اور بلیرڈ کی زندہ ہیں ایسی بازیاں
کم برج کے کھیل میں انکے مقابل ہی یہاں

رونق بزم احباب ان کو کہنا چاہیئے
ہم مریضوں کا مسیحا ان کو کہنا چاہیئے

انکی بدلی ہو گئی چھایا ہے دل پر ابر غم
جس نگر میں چھاونی چھائینگی با جاہ و حشم

چھوٹنا انکا ہمارے واسطے تو ہے ستم
چار چاند اسمیں لگا دینگی فریدونکے قدم

چاہنے والے یقیں ہے اُس جگہ بھی پائینگے
پر جدائی کے الم میں یہہ ہمیں تڑپائینگے

انکی فرقت کا تو چرچا آجکل یاروں میں ہے
ایک سناٹا سا ہم الفت کے میخواروں میں ہے

یا دورہ سحر دل ہی اک تازہ گرفتاروں میں ہے
ہو کا عالم اب تو میخانہ کی دیواروں میں ہے

اپنا ساقی جا رہا ہے اک قیامت آئی ہے
ساغر و مینا پہ آفت کی اداسی چھائی ہے

خیر بہتر ہے سدھارو کچھ ہمارا بس نہیں
ہجر میں تڑپا کرینگے سر کو پھوڑینگے نہیں

آسماں ہے دور اور ہے سخت تر اپنی زمیں
خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

آرزو اپنی یہی ہے کامرانی میں رہو
لو خدا حافظ ہمیشہ شادمانی میں رہو

ہے یہی دنیا کا عالم جہاں عالی گہر
ہے یہی خوش قسمتی بس ہو بسر گذری اگر

کاٹ دنیا چلا یئے یہہ چار دن ہنس کھیلکر
زندگی کیا موت کا کھٹکا ہی جب آٹھوں پہر

طائر روح رواں اک جا نہ ایسی پائیں گے
اپنی اپنی بولیاں سب بولکر اُڑ جائیں گے

جلسہ وداعی محمد ابو الحسن صاحب مہتمم تعلیمات ضلع میدک
بہ ترقی صدر مہتممی

سنگاریڈی سے چلے آپ تو دل ہی بے چین
ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کا تلاطم دیکھو
پئے گلگشت چلے آپ ہیں سوئے گلبرگہ
آپ جاتے ہیں ترقی پہ خوشی اسکی ہے
یاد آئینگے سدا آپکے اخلاق عمیم
نونہالان دکن فیض سے ہونگے سرسبز
دوست کا ذکر ہی کیا غیر بھی ہے حلقہ بگوش

کچھ اثر قلب پہ گہرا نظر آتا ہے مجھے
قطرۂ اشک بھی دریا نظر آتا ہے مجھے
گلشن آباد تو صحرا نظر آتا ہے مجھے
پر جدائی کا تو صدمہ نظر آتا ہے مجھے
آپ میں خلق سراپا نظر آتا ہے مجھے
زیر حکم آپ کے صوبہ نظر آتا ہے مجھے
خلق ایسا در یکتا نظر آتا ہے مجھے

جھک گئی سبکی سبھی شان شہر گھٹتی ہے
کبر و نخوت میں بہ عزت ہی پہ شر اسکا دماغ

خلقِ خالق کا غلط نظر آتا ہے تجھے
تو عزازیل کا ثانی نظر آتا ہے مجھے

قدردانی جو ہوئی دوست کی خوش حال یاور
بارور نخل تمنا نظر آتا ہے مجھے

مناجات برائے اہلیہ یاور بدرگاہ قاضی الحاجات

ای مرے مالک مری معبود میرے کردگار
رنج و غم سے ہو گئی ہوں میں بہت سینہ فگار

کر دیا میرے مرض نے مجھکو از حد ناتواں
ضعف نے ہر چند گھٹا دی میری طاقت ہو نزار

اب تو اٹھنا بیٹھنا چلنا مجھے دشوار ہے
بے سہارے اٹھ سکوں ممکن نہیں یہ ہے نہار

دیدیا افسوس مجھکو میری قوت نے جواب
کر دیا افسوس مجھکو میری قوت نے بھی خوار

تھک گئی ساری اطبا ہو چکا میرا علاج
جا بجا پھر داری ہے گردش لیل و نہار

گو مقدر نے مرے مجبور مجھکو کر دیا
پر تری درگاہ سے ہر طرح ہوں امیدوار

بخش دی قوت بھلا چنگا مجھے کر ای خدا
تو دکھا دی اپنی قدرت ای مرے پروردگار

میری معصوموں پہ فرما رحم ای مالک مری
پرورش انکی مری ہاتھوں سی فرما کردگار

یہ عطیہ ہیں تری اور یہ ودیعت ہیں تری — مجھ کو دی انکی محبت جس سے دل ہے بیقرار

یہ سمجھ سکتے نہیں ماں باپ کیا ہیں حقوق — دوش پر میرے ابھی انکے فرائض بیشمار

لڑکیاں ہیں تین اور تینوں ہیں بالکل خردسال — دونوں لڑکے بھی ہیں کمسن اور نہیں وہ پختہ کار

اک کنیز سیدہ شبیر کی ہے اک کنیز — اک کنیز عابد مضطر بحال اضطرار

دونوں لڑکے یوسف و شبیر میرے نور عین — دل گرفتہ ہیں نہایت دیکھکر کہانسی بخار

سہمی جاتی ہیں مری بچے علالت سے مری — رحم فرما ہوں تری رحمت کی میں امیدوار

قالب بیجان میں تو نے جان ڈالی جسطرح — تو اسی صورت سے جاں بخشی مری کر کردگار

اس مرض کی کیا حقیقت ضعف کیا شے ہے بھلا — میری بیماری بھلا کیا چیز ہے پروردگار

ایک پل میں میری صحت عود کر آئے ابھی — ہو تری درگاہ سے مایوس کیوں امیدوار

تجھ پہ تکیہ ہے مرا تجھ پر بھروسہ ہے مرا — دے شفائے عاجل و کامل مجھے پروردگار

واسطہ دیتی ہوں میں تجھکو ترے محبوب کا — پھر آل پاک احمدؐ جنکی ہوں میں سوگوار

واسطہ ہے فاطمہ زہراؑ کا دے صحت مجھے — واسطہ تجھکو علیؑ مرتضیٰ کا کردگار

واسطہ ہے شبرؑ و شبیرؑ کا اے کبریا — بہرہ ور کر مجھکو صحت سے کہ ہوں سینہ فگار

پھر عابدؑ پھر باقرؑ پھر جعفرؑ کاظمؑ رضاؑ — پھر تقی بعد از نقی پھر عسکری یادگار

مہدی عالی ہمم کا واسطہ دیتی ہوں میں — مومنیں کی آج تک جو ہیں بلا شک شہریار

اے خدا یہہ سب وسیلے ہیں مرے کچھ شک نہیں
انکا دامن ہاتھ میں ہے تجھ سے ہوں امیدوار

تو رحیم اور تیری رحمت کا ٹھکانا ہی نہیں
تو حکیم اور تیری حکمت میں نہیں شک زینہار

دے طبیعت کو مری دفع مرض کی قوتیں
یہہ مرض جائے تری قدرت سے ہو کر شرمسار

اب کرم فرما مجھے کر جلد تر صحت عطا
یاوری کر جلد اب اے یاور ذی اختیار

سلام

گہر ریزو گہر افشاں تجھے اے چشم تر جانا
بہ مصائب آنسوؤں کا تار اشک نظم گہر جانا

غضب تھا کربلا سے شام تک تفتہ جگر جانا
کسی کا پا برہنہ اور کسی کا ننگے سر جانا

کیا جب کوچ دنیا سے تمھیں کو راہبر جانا
محبت کو تمھاری یا علی زاد سفر جانا

حوادث کو تلاطم چرخ گرداں کو بھنور جانا
جہاں کو ہمنے سیلاب فنا کا رہگذر جانا

جناں کو زاہد اور عشق الٰہی کا ثمر جانا
سمجھیں گے ہم تو یہہ کچھ بھی نہ تونے بیخبر جانا

محرم کا مہ نو دیکھکر ہوتا ہے دل ٹکڑے
اسی نشتر نے سیکھا ہے کلیجہ میں اتر جانا

خبر دیتا ہے رت بدلی عزا کا آگیا موسم
ہرا ہوتا ہے یہہ زخموں کا یہہ داغوں کا ابھر جانا

غم شبیر نے دل پر کیا ہے وار خنجر کا ۔ یہی وہ زخم ہے آساں نہیں یا ہے جس کا بھر جانا

یتیموں بیکسوں کی لی خبر تو نے نہ ای منعم ۔ خدا کے سامنے ہے ایکدن ای بے خبر جانا

ادھر دل تھام لینا یا تو یہ ناشاد کا رو کر ۔ ہمک کر گود میں حضرت کی اصغر کا ادھر جانا

پریشانی نے کچھ ٹھہرا کر حرم کی پردہ داری کی ۔ کہ پردہ ہو گیا بالوں کا چہرے پر بکھر جانا

بلا کر دیکھنا اصغر کو خود صغری نے فرمایا ۔ میسر یا عرضی جو شہ کے پاس لیکر نامہ بر جانا

نجف کی ساکنوں پر رشک ہے خضر و مسیحا کو ۔ اسی کوچہ میں گر جانا اسی کوچہ میں مر جانا

مجاہد کربلا کے جاں نثاری کو رہے حاضر ۔ ہمیشہ اپنے سینہ کو شہ دیں کی سپر جانا

وہ پیری ہاے اور جوش غا ابن مظاہر کا ۔ جوانوں سے بھی کچھ آگے وہ سوی فوج شر جانا

الٹتی تھی صفیں ہر اک وار تیغ دو پیکر کی ۔ وہ دم لیکر جھپک جانا لہو پیکر نکھر جانا

زمانہ کروٹیں لے ہم نہ اٹھے ہیں نہ اٹھینگے ۔ کہ ہم ڈوبے ہوے تو بھولجاتے ہیں ابھر جانا

بھٹکنے کا بھلا پھر خوف کیا ہو یا علی ہم کو ۔ تمھیں کو رہنما سمجھے تمھیں کو راہبر جانا

کبھی عون و محمد کو نہ دیکھا ان نگاہوں نے ۔ علی اکبر کو زینب نے سدا نور نظر جانا

نہ دیکھا پھولتے پھلتے کبھی سرو گلستاں کو ۔ اسی سے راست بازی کو نہال نے ثمر جانا

قدم خوابیدہ ہیں اغیار سدرہ مگر ہمت ۔ یہہ کہتی ہے کہ آئے ہو تو کچھ دنیا میں کر جانا

کہاں کا عشق صادق لے خدا کا نام ای زاہد ۔ سر الفت کا کرشمہ تو نے کب ای بے خبر جانا

شہیداں خنجر وارفتۂ عشق الٰہی تھے
حیات جاوداں سمجھے وہ اس کوچہ میں مرجانا

بنے اخوان یوسف ہاتھ دھو کر پڑ گئے پیچھے
نبی آدم نے جس کو صاحب علم و ہنر جانا

خبر دی قتل شہ کی حال صغریٰ نے مدینہ میں
یتیمی رخ پہ چھا جانا وہ چہرے کا اتر جانا

دم رخصت کہا بانو سے برسوں کی تمنا ہے
تمہیں دولہا بنا لوں اے علی اکبر ٹھہر جانا

کہا حضرت نے اصغر کیلیے ایک جام بھر رکھنا
لب کوثر علی اکبر جو تم سے پیشتر جانا

تقیہ لینا گنہ کرکے چھپاتا ہے تو دنیا تک
خدا کے سامنے تم بھول جاؤ گے مکر جانا

یقیں جانو کہ پھر عقبیٰ میں ہے تیرا زکال فتنہ
تمہارے ہاتھ ہے دنیا میں سوئے خیر و شر جانا

بسی ہے کربلا ساری گل زہرا کی خوشبو سے
سمجھکر باغ جنت سے ادھر یا بحر جانا

مدینہ یا نجف یا کربلا اپنا ٹھکانا ہے
پسند آیا نہ مجھکو اور جانب بھول کر جانا

علی اکبر کے غم میں چل گئی ہے دل پہ ایک چھری
یہ گہرا گھاؤ ہے ممکن نہیں اب اسکا بھر جانا

بھلا یا اور یہاں آئیگا اے کوثر کے متوالو
نجف کا رند ہے ہرگز نہ اسکی بات پر جانا

تمت بالخیر

قطعۂ تاریخ

عالیجناب نواب فصاحت جنگ بہادر المتخلص بہ جلیل مدظلہ العالی

وہ پُر ضیا کلام چھپا جسکے سامنے
انجم ہیں بے فروغ ۔ مہ و مہر رات ہیں

شیرینیِ زبان کا مزہ کچھ نہ پوچھیے
الفاظ ہیں کہ کوزۂ قند و نبات ہیں

آتا ہے وجد معنی رنگیں کو دیکھکر
کیا کیا تخیلات ہیں کیا کیا نکات ہیں

کیا خوبیاں بیان ہوں کہ اک اک نظم میں
اوصاف سیکڑوں ہیں ہزاروں صفات ہیں

ہے لاجواب مصرعِ تاریخ بھی جلیل
یاور کے شعر موجۂ آبِ حیات ہیں
۴۴ ھ ۱۳

قطعۂ تاریخ

از عالیجناب نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز اول تعلقدار ضلع اطراف بلدہ

اے خوشا حسنِ کلام یاور
اے زہے نظم دلاویز جہاں

وہ فصاحت کہ فصاحت صدقے
وہ بلاغت کہ بلاغت قرباں

قدر ارباب نظر کے قابل
خوش بیانی ہے کہ پھولا ہے چمن

مدح اصحاب سخن کے شایاں
تر زبانی ہے کہ دریا ہے رواں

خوب ہے طبع کی تاریخ عزیز
سخن دلکش مقبول زماں

۱۳۴۶ ھ

قطعۂ تاریخ

مجموعۂ فارسی (جذبات یاور) عالیجناب نواب ضیغم جنگ بہادر جاگیردار
شاگرد جناب میر انیس مرحوم و جناب میر انس مرحوم

چہ مرزا محمد بہادر سخنور
کلامش دل آویز و دل شاد و دلکش
فصیح و بلیغ و سخنگوئے یکتا
چہ خوش ناظم عدل و داد عدالت
بہ لب حمد معبود و صناع عالم

بفرمود تالیف جذبات یاور
ز حسنش سخندان عالم مسخر
محب و ثنا خوان آل پیمبر
عقیل و جلیل و غیور و مدبر
بدل الفت احمد و حب حیدر

فراہم جو گردید نظم ل آرا ‌‌ ‌ ز طبع خوش انداز پوشید زیور

پی سال از فکر چوں کرد ضیغم
سن طبع شد پاک جذبات یاور
۱۳ ھ ۴۶

ایضاً

قطعہ تاریخ اردو

جناب مرزا محمد بہادر یاور ‌ ‌ مطیع سید لولاک و عاشق داور
عقیل و ذی شرف ذیوقار و ذی توقیر ‌ ‌ محب حیدر و مداح آل پیغمبر
جلیل و ناظم شاہی عدالت اضلاع ‌ ‌ کہ جنکی معدلت د داد مثل شمس اظہر
کلام نظم کیا جمع طبع فرمایا ‌ ‌ کہ جسکا نام ہے جذبات جذبہ یاور

جو سال طبع کی ضیغم نے فکر کی ناگاہ
کہا سروش نے نظم نکو بیاں یاور
۱۳ ھ ۴۶

قطعۂ تاریخ

جناب مولوی سید اعجاز حسین صاحب اعجاز رضوی لکھنوی ارشد تلامذہ حضرت مشتاق مرحوم لکھنوی

ہے یہ دیوانِ بلیغِ مدح سنجِ شاعری
کیوں نہ روشن ہو مصنف کا زمانہ پر کمال

نجمِ ثاقب اور اک پایا سپہرِ نظم نے
آ گیا جنبش میں فرطِ وجد سے قطبِ شمال

اور اک گوہر فزوں تاجِ سخن میں ہو گیا
شاہدِ نازک خیالی کیوں نہ ہو پھر مالا مال

نقشِ ثانی کا ہے بانی میرا ہمدم عزیز
نقشِ اول کے تھے موجد سعدیٔ ملا جلال

گیسوئے محبوب کی نظمِ مسلسل میں ہے شاں
شعرِ پیچاں سے نمایاں عاشقِ مضطر کا حال

کیا عجب لب بندھے جاتے ہیں گر وقتِ ثنا
ہے یہی شانِ بیانِ شاعرِ شیریں مقال

طرزِ غالب ہے کہیں اندازِ آتش ہے کہیں
رنگ کچھ دہلی کا ہے کچھ لکھنؤ کی بول چال

نعت و مدحت سے کیا ظاہر میں آغازِ کلام
ہے جدید انداز سے ضمناً سپاسِ ذوالجلال

فکرِ عالی زینۂ بامِ حقیقت ہو گئی
یہ مجازی طرزِ عرفانِ حقیقی پر ہے دال

وہ زباں کیوں تر نہ ہو مدحِ ساقیِ کوثر سے
جس کی ہر جنبش ہو موجِ چشمۂ آبِ زلال

ہر طرف آیا نظر اک منظر فرح و سرور — دیکھا جب اعجاز کی آنکھوں نے یہ سحر حلال
اے تعالی اللہ عجب یہ نظم عظیم ہے نعم الشان — اب برائے نام بھی دل میں نہیں رنج و ملال
از جار طبع سے حاصل ہوا مجھکو فراغ — ہے مبارک مجھکو یہ منظومۂ فرخندہ فال
اب سنینِ طبع میں کچھ فکر کرنی چاہیے — خامہ فرسائی عبث ہے گر نہو حاصل مآل

پیکر منظوم میں بالیدگی پیدا ہوئی
روح افزا ہے کلام یاور نازک خیال
۴۶ ھ ۱۳

قطعۂ تاریخ

مصنفہ جناب سید سرفراز حسین صاحب خبیر رضوی لکھنوی

صورت آئینہ یہ نظم لطیف — صاف و شفاف و نور پیکر ہے
آج موجود ہوتے گر عباس — کہتے تقریظ موج کوثر ہے
خاص عنوان سے بطرز جدید — حمد و نعت و ثنائے حیدر ہے
ہے خبیر اپنے واسطے واللہ — مایۂ فخر ذات یاور ہے

شاعری میں یہ ذی شرف ممدوح
یادگار جناب خاور ہے

نہیں منت پذیر غیر کبھی
یہ عرض کب ہے عین جوہر ہے

کیوں نہ تاریخ طبع لکھے شبلی
نغز گوئی کی طبع خوگر ہے

کیا فصاحت ہے کہہ اٹھا انصاف
صاف گو یاور سخنور ہے

۱۳ ھ ۴۶

قطعۂ تاریخ

مصنفہ جناب مولوی سید واجد حسین صاحب مطیر رضوی لکھنوی

ہر طرف نقارہ شہرت کا بجا
جب پڑھی یاور کی نظم لاجواب

دعوی شیوہ بیانی کیوں نہ ہو
شاعروں میں ہے یہ فرد انتخاب

ہے جواں ممدوح کا علم و کمال
کیوں زمانہ میں نہ ہو رشک شباب

فخر و نازش کیوں نہ ہو مجھکو مطیر
ذی شرف ہیں میرے عم مستطاب

مصرع تاریخ یہ میں نے لکھا
خوش بیاں ہیں یاور والا جناب

۱۳ ھ ۴۶

از جناب مولوی میر ثابت علی صاحب المتخلص ثابت رسالدار ایجبر (؟) ممالک محروسہ سرکار عالی

محمد بہادر کا دیوان ہے
کہوں کیا مضامین کی جو شان ہے

بیان اور یہہ قول اکثر کا ہے
یہ مجموعہ جذبات یاور کا ہے

بہت قابل مدح ہے انتخاب
یہ اشعار ہیں آپ اپنا جواب

زبان روزمرہ میں ڈوبی ہوئی
تو دونی سخن میں یہ خوبی ہوئی

ہر اک عیب سے پاک ہے صاف ہے
یہ تعریف از روئے انصاف ہے

وہ بندش کی خوبی وہ الفاظ چست
کہیں بھی نہیں اسمیں مضمون سست

وہ الفاظ موقع سے ہیں جابجا
جہاں جس کی جا تھی وہیں پر رکھا

بہت ایسے مضمون اچھوتے کہے
بجا ہے کہوں میں جو ان کو نئے

نہ ایطا ہے انمیں خفی و جلی
مبرا وہ حشو و زوائد سے بھی

وہ غزلیں ہیں دلکش وہ رنگین سخن
پھڑک جائیں سنکر جسے اہل فن

ہر اک شعر غزلی میں اپنا جواب
فصاحت بلاغت میں ہے لاجواب

کسی باغ عالم کے لوٹے نہیں
اچھوتے ہیں مضمون جھوٹے نہیں

بہت شعر نکلے ہیں بیساختہ
نہ وہ ساختہ ہیں نہ پرداختہ

یہاں بھی رہا عدل کا انتظام
جگہ جسکی جو تھی دیا وہ مقام

خداداد ہے یہہ طبیعت یہہ رنگ
یہہ آئینہ وہ ہے نہیں جسمیں زنگ

پڑھے شوق سے اسکو ہر شیخ و شاب
یہ گلدستہ باور کا ہے انتخاب

بدل کرمیں اب بحر کہتا ہوں سال
حقیقت میں ثابت جو ہے بیمثال

تاریخ

دیکھکر کہتے ہیں یہ اہل فن
نظم باور کی ہے پسند طبع

ہر الہام سے ہے ثابت سال
ہوئی اب نظم پاک نادر طبع

قطعۂ تاریخ

ازجناب مولوی محمد انور علیصاحب انور۔ اہلکار عدالت ضلع پربھنی

فلک نظم پہ اک اور ستارہ چمکا
ہوگیا جس سے خجل چرخ پہ مہر انور

جسکی ہر نظم سے خجلت وہ نظم پروین
جسکا ہر شعر ہے دریائے فصاحت کا گہر

ہر رباعی ہے خیابانِ چمن کے مانند
بندشیں چست ہیں تخئیل کا اسلوب لطیف
اللہ اللہ ہے کیسی کششِ حسنِ کلام
دلکشی ایسی کسی میں نہیں دیکھی ہم نے

قطعہ ہر ایک گلستان کی روش سے خوشتر
صاف و شستہ ہے زبان جیسے لآلِ کوثر
جسکے انداز پہ گرویدہ ہیں اربابِ نظر
کوئی معشوق ہے یا ہے جذباتِ یاور

سالِ تاریخ کی ہے فکر جو انورؔ تمکو
لکھدو بےمثل ہے پختہ ہے کلامِ یاور
۲۷ ۱۹ ے ۱

قطعہ تاریخ

چکیدۂ قلم بلاغت رقم جناب مولوی محمد عبد الرحمن صاحب خفا متعبد دار کمیل تحصیلدار پیجی

صنعت نادر

عدالت کا ہیں ناظم یہ جنکا نیکدل حاکم
چھپا ہے اسکا دیوان جسکا ایک عالم کو تھا ارماں
زہے جذباتِ یاور جسکا ہر شعر نشتر ہے
کلامِ ندرت آگیں کا سن تاریخ لکھتا ہوں

ہر اعزاز بہا در خلق میں جنکی خلق انساں ہے
مضامینِ شگفتہ سے جو اک گلزار خنداں ہے
نشاطِ روح کا جسکے ہر اک مصرع میں ساماں ہے
میری تاریخ میں بھی صنعتِ نادر نمایاں ہے

سفید اس طبع کی تاریخ میں ہے صنعت نادر[1]
سنا دیکھ سن فصلی ۔ چھپا باور کا دیوان ہے
۱۳ ف ۴۷

[1] حرف کے اعداد لفظ میں لکھکر اُسکے اعداد ہندسہ میں لکھیں مثلاً حرف (ج) کے اعداد (تین) ہیں پھر اُسکے اعداد (۴۹۰) ہوتے ہیں اسیطرح شمار کرتے جائیں ۔

قطعۂ تاریخ

ریختہ کلک معجز سلک جناب مولوی حاجی سید اعظم اللہ حسینی صاحب اطہر تخلص وکیل عدالت ضلع بھینسی

باور خوش فکر کے احباب کی تھی آرزو
جلد تر مجموعہ ان اشعار کا یارب چھپے

فضل حق سے آگیا وقت اور دیوان چھپگیا
سال اطہر نے کہا ۔ جذبات باور اب چھپے
۱۳ ھ ۴۶

الیضاً

لائق تحسین ہے یاؔور کی نظم دُرفشاں	کیوں نہو مطبوع دل مقبول طبع اہلِ فن
تین تاریخیں کہیں اظہر نے اسکے طبع کی	نظم رونق ۔ نظم شادان ۔ اور ۔ دُرافشان سخن
	۱۳۴۶ھ ۔ ۱۳۴۶ھ ۔ ۱۳۴۶ھ
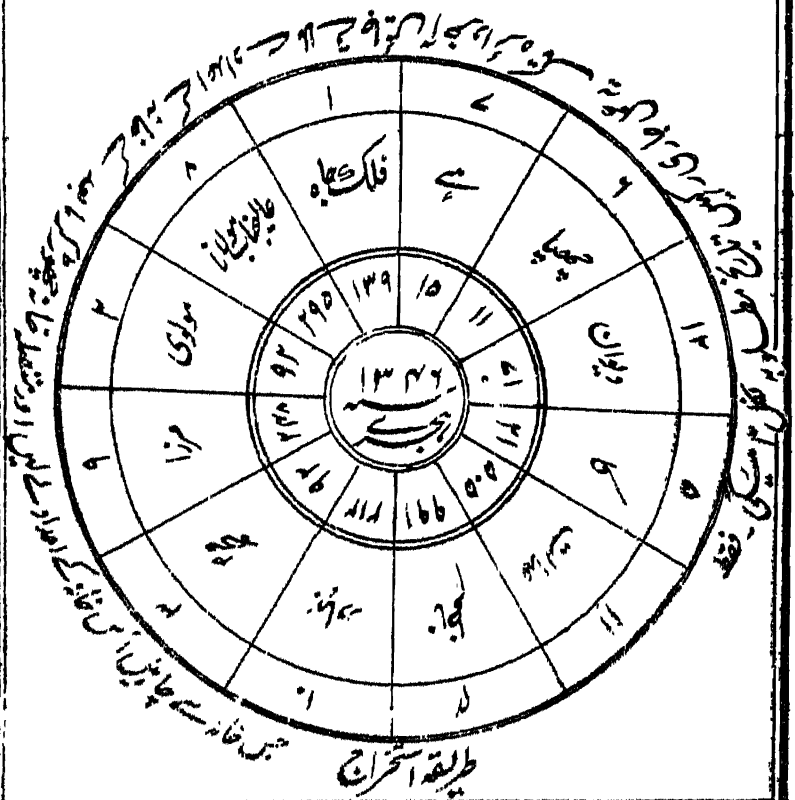
قطعہ تاریخ

شاعر نازک خیال مولوی محمد عبدالرحیم صاحب مد ہولی المتخلص سیفی وکیل ضلع پربھنی

عدالت کے ناظم کا دیوان چھپا	جو ہے شاعری میں عدیم المثال
ہوئی فکر سیفی کو تاریخ کی	ملا۔ پاک جذبات یادور میں سال
	۱۳ ۴۶ ھ